ہم ایسی بنیں

مائل خیرآبادیؒ

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پاکیزہ خواتین کے پاکیزہ نمونے

انسان کبھی کسی کی زبان سے نصیحت کی بات سن کر اسے قبول کر لیتا ہے اور نیکی کی راہ پر لگ جاتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی لکھا ہوا مضمون پڑھتا ہے۔ اس کا اثر قبول کرتا ہے اور اپنی بگڑی ہوئی زندگی بدل دیتا ہے۔ یہ دونوں قسم کے انسان بڑے اچھے ذہن کے کہلاتے ہیں۔ اچھی بات قبول کرنے کے جذبات ان میں سارے انسانوں سے زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن:

نصیحت قبول کرنے کا ایک اور ذریعہ ہے۔ وہ یہ کہ چاہے زبان سے کچھ نہ کہا جائے، قلم سے کچھ نہ لکھا جائے مگر اچھی باتوں اور اچھے اخلاق کا نمونہ سامنے آجائے۔ انسانیت کی چلتی پھرتی تصویروں میں سما جائے تو یہ عملی نمونہ ان دونوں طریقوں سے زیادہ اثر کرنے والا ہوتا ہے۔

پچھلے سال اس طرح کے نمونے خواتین اور طالبات کے پاکیزہ ماہنامہ ''حجاب'' میں قسط وار چھپتے رہے جو بہت مقبول ہوئے۔ یہ نمونے اب کتابی صورت میں اکٹھا کر لیے گئے ہیں۔ امید ہے کہ ان چلتی پھرتی زندہ تصویروں کو دیکھ کر ہر دیکھنے والا پکار اٹھے گا کہ ہمیں بھی ایسا بننا چاہیے۔ ان نمونوں کو ہم انسانیت کا بہترین جوہر سمجھتے ہیں۔ انسانیت کے اصولوں میں سب سے اونچی بات یہ ہے کہ انسان حق اور سچائی کو جہاں دیکھے، کسی جھجک کے بغیر قبول کر لے۔ ہمارے نزدیک دنیا میں اسلام سے بڑھ کر کوئی سچائی نہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ حق یہی ہے۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے باطل ہے۔ قرآن میں ہے کہ اللہ کے نزدیک اصل دین اسلام ہے اور وہ اپنے بندوں کو دین اسلام دے کر ان سے راضی ہو گیا۔ اس لیے ہم سب سے پہلے خواتین اور طالبات کے

لیے ان ہی کی صنف کے ایسے پاکیزہ نمونے لا رہے ہیں جن کے سامنے جیسے ہی اسلام کی سچائی آئی کسی جھجک کے بغیر انھوں نے بڑھ کر اسے قبول کرلیا۔ اردو کے مشہور مصنف مائل خیرآبادی صاحب نے ان پاکیزہ نمونوں کو تلاش کر کے انھیں ترتیب دیا ہے۔ مصنف موصوف کا قلم آپ کا جانا پہچانا قلم ہے۔ اس لیے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کتاب کی زبان کیسی آسان اور شگفتہ ہوگی۔ وہ تو آپ خود پڑھ کر فیصلہ کرلیں گے۔ ہاں اگر ان نمونوں کو دیکھ کر خواتین کے اندر اپنے کو سنوارنے کی اسپرٹ پیدا ہوگئی تو ہماری محنت سوارتھ ہے۔ اور یہی اس کتاب کے چھاپنے کا منشاء بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ناشر

قبولِ اسلام کے نمونے

حضرت خدیجہؓ

حضرت خدیجہؓ نبی ﷺ کی بیوی تھیں۔ وہ آپ سے پندرہ برس بڑی تھیں۔ آپؐ سے شادی کرنے سے پہلے ان کی دو شادیاں ہو چکی تھیں۔ دونوں بار بیوہ ہو گئیں۔ ان دونوں شوہروں سے اولاد تھی۔ مکے کی بہت مال دار خاتون تھیں۔ جب حضورؐ نبی ہوئے تو آپؐ کی عمر چالیس سال کی تھی اور حضرت خدیجہؓ پچپن سال کی۔ پچپن سال کی عمر وہ ہوتی ہے، جب انسان مصلحتوں پر زیادہ غور کرنے لگتا ہے۔ ایسا کرنے سے کہیں ایسا نہ ہو۔ فلاں نیک کام میں دھن دولت خرچ ہو جائے تو بڑھاپے میں پریشانی کا سامنا کرنا ہوگا۔ اپنے بھی بال بچے ہیں۔ ان کی ضرورتوں کے لیے بھی تو کچھ بچا لیا جائے۔ سچ پوچھیے تو اس عمر کو پہنچ کر انسان اپنے لیے کم، اپنے بال بچوں کے لیے زیادہ سوچتا ہے۔

حضرت خدیجہؓ بھی اسی طرح سوچ سکتی تھیں۔ لیکن جیسے ہی نبی ﷺ نے اللہ کا دین ان کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے آپ کی تصدیق کی۔ فوراً کہا: جو کچھ آپ نے فرمایا۔ سچ فرمایا۔ آپ کی انسانیت کو میں دیکھ چکی ہوں۔ آپ کو نبی ہونا ہی چاہیے۔ اور واقعی اللہ ایک ہے۔ اسی کی عبادت کرنا چاہیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا بھی کہ مجھے جان کا خطرہ ہے۔ بولیں: ہرگز نہیں، اللہ آپ کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ خدیجہؓ نے اس اندیشہ کو دل میں آنے نہیں دیا کہ تجارت ٹھپ ہو کر رہ جائے گی۔ بال بچے بھوکوں مر سکتے ہیں۔

ایک نومسلم انگریز نے حضرت خدیجہؓ کے مسلمان ہونے کو حضورؐ کے نبی ہونے کا سب

سے بڑا ثبوت کہا ہے۔ بڑے پتے کی بات کہتا ہے کہ بیوی سے زیادہ شوہر کی کمزوریاں جاننے والا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ خدیجہؓ نے آپؐ کو نبی تسلیم کر لیا۔ اس کے معنی ہیں کہ وہ پہلے ہی سے آپؐ کو انسانیت کا مکمل نمونہ مان چکی تھیں۔

خواتین یہ پڑھ کر یقیناً خوش ہوں گی کہ اسلام قبول کرنے کے لیے سب سے پہلے جو ہستی بڑھی۔ وہ ایک عورت ہی تھی۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں دوشنبہ (پیر کے دن) نبی ہوا۔ اور خدیجہؓ نے اسی دن کے آخر حصے میں نماز پڑھی۔ علیؓ نے دوسرے دن۔ اس کے بعد زید بن حارثہؓ اور ابوبکرؓ نے۔''

یہ حدیث پڑھ کر اگر مسلمان خواتین فخر کریں تو ان کا فخر بجا ہے۔

حضرت سمیہؓ اور ام ایمنؓ

یہ دونوں خاتون بھی بوڑھی تھیں۔ عمر جتنی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اتنی ہی انسان کے اندر عقیدے کی سختی آتی جاتی ہے۔ آخر عمر میں عقیدے کا بدلنا۔ لوگ تو کہتے ہیں ناممکن ہو جاتا ہے۔ ناممکن نہیں تو مشکل، بے حد مشکل ضرور ہوتا ہے۔ سماج اور سماج کے رسم و رواج کا لحاظ بڑھ جاتا ہے۔ رشتے ناطے پاؤں پکڑتے ہیں۔ شرم دامن تھامتی ہے۔ اگر کوئی بڑا آدمی ہوا تو خیر دیر میں لوگ لعن طعن کرتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی غریب ہوا تو پھر سر منڈاتے ہی اولے پڑنے لگتے ہیں۔

ام ایمنؓ تو خیر حضورؐ کی کھلائی تھیں۔ لیکن حضرت سمیہؓ لونڈی تھیں اور کس کی؟ مکے کے رئیس اعظم کے گھرانے کی، جس گھرانے کے لوگ وہ تھے جو نبی ﷺ کے بدترین دشمن ہو گئے تھے، جیسے ابو جہل۔

اس وقت لونڈیوں اور غلاموں کی حیثیت جانوروں جیسی تھی۔ یہ لوگ جانوروں کی طرح خریدے اور بیچے جاتے تھے۔ ان کی مرضی کچھ نہیں تھی۔ ان کی اپنی خواہش کچھ نہیں۔ ان کا کام بس یہ تھا کہ جانوروں کی طرح مالک کی مرضی پر چلیں۔ شام کو مالک جو روکھی سوکھی کھلا دے وہی نعمت۔

حضرت سمیہؓ کی یہ زندگی تھی کہ توحید کی آواز کانوں میں پڑی، جیسے وہ یہ آواز سننے کے لیے تیار تھیں۔ یہ بھی نہ سوچا کہ ابو جہل وغیرہ کیا درگت بنائیں گے۔ شوہر اور بیٹے کو ساتھ لیا اور اسلام کے قدموں میں جا گریں۔

اسلام کی نظر میں اس شخص کا ایمان قابلِ قبول نہیں ہے جو اسلام کی سچائی کو دل میں لیے بیٹھا رہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان کھلم کھلا کہے کہ میں مسلمان ہوں۔ حضورؐ کے بزرگ چچا عباسؓ نے ایک موقع پر عرض کیا کہ میں تو پہلے سے مسلمان ہوں، اعلان اب کر رہا ہوں۔ آپؐ نے ان کا وہ اسلام قبول نہ کیا جو اعلان سے پہلے دل میں تھا۔

حضرت سمیہؓ اس میں بھی پوری اتریں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد کھل کر اعلان کر دیا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں مسلمان ہوں اور میرے ساتھ میرا شوہر یاسر اور بیٹا عمار بھی مسلمان ہے۔

مسلمان خواتین کے خوش ہونے اور فخر کرنے کا پھر موقع ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ سب سے پہلے جن سات بزرگوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ ان میں ایک غریب صحابیہ عمارؓ کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہؓ بھی تھیں۔

ایک اور روایت میں حضرت ابوبکرؓ کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے راوی نے بڑا پیارا جملہ لکھا ہے۔ جملہ یہ ہے:

"لیکن اس بڑائی میں ابوبکرؓ تنہا نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ دو عورتیں بھی ہیں ایک خدیجہؓ اور دوسری سمیہؓ یا ام ایمنؓ۔"

ہمیں اس روایت پر تنقید کرنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا مقام کچھ اور ہی ہے۔ وہ ابوبکرؓ سے پہلے مسلمان ہو چکی تھیں۔ لہٰذا وہ دو عورتیں سمیہؓ یا ام ایمنؓ نہیں بلکہ سمیہؓ اور ام ایمنؓ ہی ہیں۔ (اللہ بہتر جانتا ہے)

دیگر خواتین

جی تو یہ چاہتا ہے کہ مختصر ہی سہی۔ لیکن ان پاکیزہ خواتین کا نام لے لے کر ان کے قبول حق کا حال بیان کر دیا جائے۔ لیکن ان کی فہرست اتنی لمبی ہے کہ اس مختصر کتاب میں سمیٹا نہیں جاسکتا۔ یہ سمجھ لیجئے کہ نوعمر، جوان، ادھیڑ اور بوڑھی صحابیات کی ایک بڑی تعداد ہے جس نے صحابہ کے ساتھ ساتھ اسلام قبول کیا۔ ان میں لونڈیاں، باندیاں، غریب، رئیس زادیاں ہر طبقے کی پاکیزہ خواتین نظر آتی ہیں۔ مسلمان ہوتے وقت ان سب کو خطرہ ہوسکتا تھا کہ باپ ناراض ہوجائے گا۔ ماں ناراض ہوجائے گی۔ بھائی دشمن ہوجائے گا۔ شوہر طلاق دے دے گا۔ اور وہ

اس عیش و آرام سے محروم ہو جائیں گی، جو حاصل تھا۔ لیکن انھوں نے ہر خطرے اور اندیشے کو دل سے نکال دیا۔ اور آوازِ حق سنتے ہی مسلمان ہوگئیں۔ انھوں نے باپ کے سامنے، بھائی کے آگے، شوہر کے روبرو، مالک کے حضور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ ان میں سمیہؓ کی طرح زنیرہؓ اور لبنیہؓ جیسی باندیاں اور لونڈیاں تھیں۔ اسماءؓ، حفصہؓ، ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ جیسی رئیس زادیاں بھی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر کیا بیتی اور ان کمزور جانوں نے کس طرح اس وقت کے ابوجہلوں سے مقابلہ کیا۔ یہ عبرت ناک داستان اگلے صفحوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد

اسلام قبول کرنے کے بعد ان نرم و نازک جانوں پر کیا بیتی؟ یہ دل ہلا دینے والی ایک پر درد کہانی ہے اور پھر کس طرح وہ اپنے اسلام پر ثابت قدم یعنی اڑی رہیں۔ یہ سب ہمارے ایمان کو تازہ کرنے والے واقعات ہیں۔ اور آج جب کہ چاروں طرف سے اسلام اور مسلمانوں پر حملے ہو رہے ہیں یہ ایک بہترین نمونہ ہیں، جو زبانِ حال سے کہتے ہیں کہ اگر ان حالات میں گھر جاؤ تو ایسے بنو یا ایسی بنو۔ چنانچہ ان نمونوں کی کچھ جھلکیاں نیچے کی سطروں میں دکھائی جا رہی ہیں۔ ان کو دیکھنے کے لیے بھی بڑے صبر و ضبط کی ضرورت ہے۔ ہم مولانا محمد علی جوہرؔ مرحوم کے اس شعر کے ساتھ ان مظالم اور مظالم برداشت کرنے والیوں کا حال بیان کرتے ہیں۔ جوہرؔ مرحوم فرماتے ہیں ؎

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

حضرت سمیہؓ

حضرت سمیہؓ رضی اللہ عنہا مکے کے سب سے زیادہ ضدّی رئیس گھر کی لونڈی تھیں۔ مکے کے رئیس بڑے بڑوں کے مسلمان ہو جانے پر ان کو ستانے سے نہ چوکتے تھے۔ کجا ان کے گھر کی لونڈی مسلمان ہو جائے، یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے! پھر یہ کہ مشہور کٹّر کافر ابو جہل اسی خاندان کا فرد تھا۔ اس نے سنا تو آگ بگولہ ہو گیا۔ اس کے دوستوں نے کہا کہ مزہ جب ہے کہ اس

لونڈی کو واپس اپنے دھرم میں لے آؤ۔ ابوجہل یہی دعویٰ کر کے چلا۔ یار دوست ساتھ تھے۔ اب سمیہؓ کو طرح طرح کے دکھ پہنچائے جانے لگے۔ ستاتے وقت پورا جتھہ ساتھ ہوتا۔ یہ جتھہ ابوجہل پر ہنستا۔ یہ ظالم جھنجھلاتا۔ آخر ایک دن اس نے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا۔ مکہ کی تپتی ریت میں دوپہر کو زرہ پہنا کر حضرت سمیہؓ کو کھڑا کر دیا۔ اس پر بھی وہ اسلام سے نہ پھریں تو دھوپ میں اسی ریت پر لٹا دیا۔ پھر بھی وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں تو ابوجہل نے جھنجھلا کر برچھی پھینک ماری۔ وہ برچھی حضرت سمیہؓ کے زیر ناف لگی اور وہ شہید ہو گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ نعمت عورت ہی کے حصے میں آئی ہے کہ سب سے پہلے ایک خاتون (حضرت خدیجہؓ) مسلمان ہوئیں اور سب سے پہلے ایک خاتون (حضرت سمیہؓ) نے شہادت کا شرف حاصل کیا۔

حضرت فاطمہؓ

کون فاطمہؓ؟ حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ، اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت عمرؓ اسلام دشمنی میں ابوجہل سے کم نہ تھے۔ پھر مکے کے رئیسوں میں کلے ٹھلے کے رئیس تھے۔ انھیں معلوم ہوا کہ بہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے۔ پھر کیا تھا۔ غصّے میں بھرے ہوئے بہن کے گھر گئے۔ دونوں کو اس قدر مارا کہ لہولہان کر دیا۔ لیکن بہن یہی کہتی رہی کہ عمر! جو کچھ کرنا ہے کرلو۔ اب میں مسلمان ہو چکی۔ میں اسلام کی صداقت سے انکار نہیں کر سکتی۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عمر جیسا پہاڑ جب اپنی بہن فاطمہ جیسی چٹان سے ٹکرایا تو خود پاش پاش ہو گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ بہن ہی کی بدولت انھیں اسلام کی دولت حاصل ہوئی۔

لبنیہؓ اور زنیرہؓ

حضرت لبنیہؓ عمرؓ کی لونڈی تھیں۔ یہ مسلمان ہوئیں تو حضرت عمرؓ ان کو ہر وقت پیٹتے تھے۔ پیٹتے پیٹتے تھک جاتے تھے اور ہاتھ روک لیتے تو کہتے کہ رحم کی بنا پر میں نے ہاتھ نہیں روکے ہیں بلکہ تھک گیا ہوں، ستا کر پھر پیٹوں گا۔ اسی طرح دوسری لونڈی زیرہؓ کو پیٹتے تھے۔ لیکن دو کمزور عورتوں میں سے کسی کو بھی اسلام سے پھیر نہ سکے۔ بلکہ خود اسلام کے قدموں میں جا گرے۔

اُمّ شریکؓ

حضرت ام شریکؓ مسلمان ہوئیں تو ان کے رشتہ داروں نے ان کو اسلام سے پھیرنے کے لیے نیا طریقہ برتا۔ وہ ان کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کر دیتے۔ لیکن پانی نہ دیتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کا دل کھولنے لگتا۔ ایسی حالت میں وہ بعض وقت بدحواس ہو جاتیں۔ ان سے کچھ کہا جاتا تو سمجھ نہ پاتیں۔ ان کے رشتہ داران سے اسلام چھوڑنے کو کہتے تو وہ کچھ نہ سمجھتیں۔ پھر جب انگلی کا اشارہ آسمان کی طرف کرتے تو وہ سمجھتیں کہ آسمان والے کی وحدانیت سے انکار کرایا جا رہا ہے۔ جواب دیتیں کہ خدا کی قسم! وہ تو وحدہٗ لاشریک ہے۔

مجموعی حالات

یہ حالات تھے کہ حضورؐ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ حبش چلے جائیں تا کہ مکے والوں کے ظلم سے بچ سکیں۔ آپ کے مشورے سے بہت سے مسلمان حبشہ چلے گئے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ سب رئیس زادیاں تھیں۔ خود حضورؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ اپنے شوہر حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہجرت کر گئیں۔ یہ دردناک اور سخت مرحلہ ہے کہ بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ وطن اور ماں باپ کی محبت نے ایک خاتون کو بھی ہراساں کیا ہو اور اس ہجرت میں کسی خاتون نے اسلام کو چھوڑا ہو۔

ام حبیبہؓ کا ایمان

ان رئیس زادیوں میں سب سے اعلیٰ پائے کی ایک خاتون ام حبیبہؓ تھیں۔ ام حبیبہؓ کا تعارف شاید اتنا ہی کافی ہو کہ وہ مکے کے رئیس اعظم عتبہ کی بہو۔ دوسرے رئیس اعظم ابوسفیان کی بیٹی اور تیسرے رئیس عبید اللہ بن جحش کی بیوی تھیں۔ خاندان کی دوسری رئیس زادیاں حضرت ام سلمہؓ اور اسماءؓ وغیرہ ساتھ تھیں۔ حبش پہنچ کر ام حبیبہؓ کے شوہر عبید اللہ نے اسلام ترک کر کے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔

یہ وقت بڑا نازک تھا اور جاننے والے جانتے ہیں کہ آج بھی یہ وقت بڑا ہی نازک ہوتا ہے۔ بیٹا باپ سے جدا ہو کر زندگی بسر کر لے جاتا ہے لیکن بیوی شوہر سے الگ ہو کر کیا کرے؟ یہ

سوال بڑا ہیبت ناک بن کر بیوی کے سامنے آتا ہے۔ لیکن ام حبیبہؓ نے مرتد شوہر کو ٹھکرا دیا۔ اسلام پر جمی رہیں۔ اسے کہتے ہیں ایمان میں پختہ ہونا۔ اسے کہتے ہیں ثابت قدمی۔ اور اسلام پر جمنا!

(موضوع سے ذرا ہٹ کر ہم اگر یہ بتا دیں تو خوشی ہوگی کہ یہی ام حبیبہؓ وہ پاک خاتون ہیں کہ جب ان کے بارے میں نبی ﷺ کو خبر ملی تو حضرت امیہ بن ضمیریؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر حبش بھیجا۔ حضرت امیہ بن ضمیریؓ نے حبش کے بادشاہ نجاشی کے ذریعہ حضورؐ کے نکاح کا پیام ام حبیبہؓ کو دیا۔ ام حبیبہؓ نے خوشی خوشی منظور کرلیا۔ اور پھر نجاشی ان کی طرف سے ولی ہوا۔ اور اس نے ہی حضورؐ کے عقد میں دیا۔ اور آج دنیا کے سارے مسلمان جب اس بزرگ خاتون کا نام لیتے ہیں تو کہتے ہیں ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا۔ یہ شرف انھیں دنیا میں ملا کہ قیامت تک ہونے والے سارے مسلمانوں کی ماں ہیں۔ آخرت میں جو اجر ملے گا اسے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا)۔

اسلام کی حمایت

حمایت کے معنی ہیں مدد کرنا، طرف داری کرنا۔ چاہے وہ زبان سے کی جائے یا قلم سے، مال سے کی جائے یا جان سے۔

پاکیزہ خواتین کے پاکیزہ نمونوں میں ہمارے سامنے ایسی مثالیں ہیں جن کو دیکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کی حمایت میں عورتوں نے مردوں سے کم حصہ نہیں لیا۔ بعض نمونے تو ایسے دیکھے جاسکتے ہیں کہ ان کی مثال مردوں میں نہیں ملتی۔ مثال کے طور پر ہم کچھ نمونے پیش کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں خود نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ اور یہ خواتین فلاں فلاں موقعوں پر مردوں سے بازی لے گئیں۔

حضرت خدیجہؓ

تحریک اسلامی کی ابتدائی آزمائشوں میں، جب اسلام کا دم بھرنے والوں پر ناقابلِ برداشت ظلم وستم ڈھائے جاتے تھے۔ تین بزرگ اسلام کی حمایت میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ایک حضوؐر کے چچا جناب ابوطالب تھے۔ ان بزرگ کے بارے میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے اپنے والد بزرگوار جناب عبدالمطلب سے عہد کیا تھا کہ بھتیجے کی پرورش کریں گے۔ چونکہ عرب عہد کے پابند ہوتے تھے۔ اس لیے انھوں نے عمر بھر اپنے عہد کو نبھایا۔ بھتیجے کی اس وقت حمایت کی جب مکے کے تمام بڑے بڑے سرداروں نے آکر کہا۔ ''تمھارا بھتیجہ ہمارے بتوں کو برا کہتا ہے۔ تم اسے منع کرو کہ وہ ہمارے خداؤں کو ذلیل نہ کرے، یا تم درمیان سے ہٹ جاؤ۔ ہم اس سے نبٹ لیں۔''

اس وقت تمام قریشی سردار مشتعل تھے۔ بڑا نازک وقت تھا۔ لیکن ابو طالب نے قریشی سرداروں اور ان کے غصّے کی پرواہ نہیں کی۔ حضورؐ سے صاف صاف کہہ دیا: ''بھتیجے! تو اپنا کام جاری رکھ، یہ لوگ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

ابو طالب کا یہ جملہ پوری قوم کو ایک طرح کا چیلنج تھا۔ اس چیلنج کو قوم نے کس طرح قبول کیا اور ابو طالب نے اسی برس کی عمر میں اس کا مقابلہ کس طرح کیا۔ اس کا ذکر ہم آگے حضرت خدیجہؓ کی حمایت کے سلسلے میں بیان کریں گے۔

دوسرے بزرگ جو اسلام کی حمایت میں اپنا سب کچھ نچھاور کر رہے تھے، حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے۔ وہ اپنی زبان کی پوری قوت سے اسلام اور اسلام لانے کی حمایت کرتے تھے۔ مال سے بھی مدد کرتے تھے۔ اسلامی تاریخ لکھنے والوں نے ان کی اسلامی خدمات کی بڑی تعریف کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ اس تعریف سے زیادہ کے مستحق ہیں۔ خود نبی ﷺ کو ان کی حمایت کا اعتراف تھا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اسلام کو جتنا فائدہ ابو بکرؓ سے پہنچا اتنا کسی سے نہیں پہنچا۔

ہماری گزارش ہے کہ ابو طالب اور ابو بکرؓ کے کارنامے وہ کارنامے ہیں جو ظاہر اور نمایاں ہیں۔ ان کے مقابلے میں جس ہستی کی حمایت دودھ میں گھی کی طرح شامل رہی وہ بزرگ ہستی خدیجہؓ کی تھی۔ دودھ میں گھی کسی کو نظر نہیں آتا۔ مگر وہ دودھ میں ہوتا ضرور ہے۔ دودھ میں ساری طاقت اسی کی ہوتی ہے۔ یہی حال حضرت خدیجہؓ کی حمایت کا تھا۔ عورت ہونے کی حیثیت سے ان کی حمایت اس چشمے کی مانند تھی جو زمین کے اندر ہوتا ہے اور اندر ہی اندر درخت کی جڑ کو قوت دیتا رہتا ہے۔ وہ درخت کو تروتازہ رکھتا ہے۔ حالانکہ کسی کو نظر نہیں آتا۔ موقع نہیں کہ ہم سارے ہی واقعات یہاں بیان کر سکیں۔ بہت کچھ چھوڑ کر کچھ بیان کرتے ہیں۔ آج ہماری مائیں اور بہنیں یہ واقعات پڑھیں۔ سبق حاصل کریں اور یہ دیکھیں کہ کیا وہ ایسا نہیں کر سکتیں؟

جس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنایا اس وقت آپؐ تین حیثیتوں سے بے حد مصروف تھے۔ ایک طرف حضرت خدیجہؓ کی تجارت کی ذمہ داری آپؐ پر تھی۔ دوسری طرف کافرانہ ماحول میں بچوں کی تربیت کا مسئلہ تھا۔ واضح رہے کہ حضرت علیؓ جو اس وقت کم سن تھے، وہ بھی آپ کے گھر رہتے تھے۔ تیسری طرف اللہ کی طرف سے اسلام پھیلانے کی ذمہ داری آپؐ پر تھی۔

حضرت خدیجہؓ نے دیکھا کہ اسلامی تحریک کی ذمہ داری حضورؐ کے سر آئی تو انھوں نے

گھر کا سارا نظم (اندر باہر کا) اپنے کندھوں پر لے لیا، چھوٹے بڑے بچوں کی دیکھ بھال ان کی پرورش، ان کی تربیت اور گھر کے بندوبست سے حضورؐ کو بالکل فارغ کر دیا۔ حضرت خدیجہؓ کی اس حمایت نے حضورؐ کو بڑی توانائی بخشی۔ آپ یکسو ہو کر اسلام کی تبلیغ میں لگ گئے۔ حضرت خدیجہؓ کی وہ تجارت جو حضورؐ کی محنت اور کارگزاریوں سے بام عروج کو چھو رہی تھی۔ یک دم ٹھپ ہو کر رہ گئی۔ حضرت خدیجہؓ نے حضورؐ سے پوچھا تک نہیں کہ ہماری ملک التجاری کیا ہوئی؟ پوچھا تو یہ پوچھا کہ آج مکہ کے سرداروں سے کیسی نبٹی؟ آپ کا مزاج کیسا ہے؟ آج دین کا کچھ کام ہو سکا۔ وغیرہ وغیرہ۔

زبان کی اس حمایت کا لطف اس شخص سے پوچھیے، جو دن بھر کا تھکا ہارا گھر پہنچ کر بیوی کی ایک نظر کا امیدوار ہوتا ہے۔ ادھر سے وہ بھی نصیب نہ ہو تو پھر غریب کا جو حال ہوتا ہے وہ لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

میں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اور میرا ایمان یہ ہے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ اور وہ اپنے فضل سے جو چاہے اور جسے چاہے دے دے اور سب کچھ اسی کی طرف سے ہوتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ایک سب سے بڑی طاقت یَاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ اور یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ اور پکار پکار کر اپنی حمایت کے کرشمے دکھا رہی تھی۔ لیکن ظاہری وجوہ اور اسباب کی دنیا میں کسی جھجک کے بغیر یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت خدیجہؓ کو آپ کی حمایت پر نہ کھڑا کر دیتا تو تحریکِ اسلامی کے ابتدائی مرحلے ایسے روشن اور تابناک نہ ہوتے جیسے ہم دیکھ رہے ہیں۔

تحریک اسلامی کے ابتدائی دور میں ابو طالب کی خدمت عظیم ترین خدمت ہے۔ دعوت و تبلیغ اور حمایت اسلام میں حضرت ابو بکرؓ کی زندگی خود اپنی مثال آپ ہے۔ لیکن صنف نازک کے اس عظیم نمونے کا ثانی بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنے ہاتھوں سے حضورؐ کے دل کے زخموں پر جو ٹھنڈا مرہم رکھا وہ نہ جناب ابو طالب کے بس کا تھا نہ حضرت ابو بکرؓ ہی اسے پیش کر سکتے تھے۔ دنیا جانتی ہے کہ دن بھر کی باتیں، انسان رات کو سوتے وقت سوچتا ہے۔ اس وقت ہمدم و دم ساز بیوی کے سوا کون ہوتا ہے جو غم گساری کرتا ہے۔ مدارج النبوۃ جلد دوم میں ہے کہ:

”قریش جب آپ کی نبوت کو جھٹلاتے تو جو رنج آپ کو ہوتا اور آپ کے دل کو جو

صدمہ پہنچتا وہ حضرت خدیجہؓ کے پاس آکر ان کو دیکھ کر دور ہوجاتا اور آپ خوش ہوجاتے۔ اور جب آپؐ فرماتے کہ قریش نے یہ اور یہ کہا اور یوں ستایا تو وہ زبان کی پوری طاقت سے آپ کی رسالت کی تصدیق کرتیں۔ اور قریش کے معاملے کو آپ کے سامنے ایسا ہلکا کر کے پیش کرتیں کہ آپ کے دل کا بوجھ اتر جاتا۔ اور آپ دوسرے دن کے لیے پھر تازہ دم ہوجاتے۔''

آج بھی اپنے ایسے شوہر کی اس طرح حمایت آپ بھی کرسکتی ہیں جو اللہ کا دین پھیلانے میں لگا ہو۔ اس بیچارے کے دل پر آج بھی ایسے چرکے لگتے ہیں جن کو بیوی چاہے تو ان چرکوں کو زخم بنادے۔

حمایت اسلام کا یہ باب ایک ہی خاتون کے تذکرے سے طویل ہوا جارہا ہے۔ اس لیے میں صرف ایک واقعہ عرض کروں گا۔ اس کے بعد دوسری پاکیزہ خواتین کے نمونے پیش کروں گا۔

تحریک اسلامی کی حمایت میں مکے کے کافروں کو وہ ہاتھ تو نظر نہ آیا تھا جو غیب سے حضورؐ کی پشت پناہی کررہا تھا۔ لیکن ابوطالب، ابوبکرؓ اور حضرت خدیجہؓ کی حمایت کو وہ دیکھتے تھے۔ وہ دستِ غیب سے تو پنجہ نہیں ملا سکتے تھے۔ لیکن ان تینوں بزرگوں کو دبانے کی کھلی اور چھپی ہر طرح کی کوششیں ناکام ہوگئیں۔ وہ اللہ کے رسولؐ کو دین کی دعوت سے نہ روک سکے۔ اور نہ ان تینوں بزرگوں کو آپ سے جدا کرسکے۔ آخر انھوں نے ایک تدبیر بائیکاٹ کی صورت میں کی۔ سب نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ جب تک ہاشم خاندان کے لوگ تحریک اسلامی کے قائداعظم کو قتل کرنے کے لیے ہمارے حوالے نہ کریں گے۔ ان سے رشتہ ناطہ، لین دین، ملنا جلنا، خرید وفروخت اور تمام انسانی تعلقات ختم!

یہ معاہدہ لکھ کر کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ اب ہاشم کے گھرانے کو مکہ میں رہنا ناممکن دکھائی دیا۔ جناب ابوطالب نے مجبور ہوکر ہاشمی گھرانے کو ساتھ لیا۔ مکے سے الگ اپنے مقبوضہ پہاڑی درّے میں چلے گئے۔ یہ درّہ انھی کے نام سے شعب ابوطالب مشہور تھا۔ قریشی سرداروں کا خیال تھا کہ اس طرح ابوبکرؓ نبی کے بغیر باہر رہ جائیں گے انھیں آسانی سے دبایا جاسکے گا۔ خدیجہؓ بھی ٹوٹ کر اپنے خاندان میں جارہیں گی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسے شخص (ابوطالب)

کی حمایت حاصل رہے گی جو خود مسلمان نہیں ہوا ہے اور وہ محض باپ سے کیے ہوئے عہد کو نبھا رہا ہے۔ اور اب وہ اسی سال کے اوپر ہے۔ کفار مکہ کو اپنی کامیابی کا پورا پورا یقین تھا۔

ایسی صورت میں حضرت ابو بکرؓ نے شعب ابی طالب سے باہر رہ کر کیا کارنامہ انجام دیا؟ یہ رقم طرازی ہم اس صاحبِ قلم کو سونپتے ہیں جو صدیق اکبر کا بابِ فضیلت لکھے یا پھر اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ اس وقت تو ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اس نازک وقت میں ایک صنفِ نازک نے کیا پارٹ ادا کیا، جب کہ عمر شریف ساٹھ برس سے اوپر ہو چکی تھی۔

حضرت خدیجہؓ چاہتیں تو اس وقت تحریک اسلامی کی حمایت ترک کر کے قوم کی نظر میں معزز ہو جاتیں۔ لیکن اس باہمت بوڑھی مومنہ نے اسلام کی حمایت میں قوم کو ٹھکرا دیا۔ اس بزرگ ہستی کو معلوم تھا کہ اگر اس وقت اللہ کے نبیؐ کا ساتھ نہ دیا تو خدا جانے تحریک اسلامی کا کیا بنے۔ چنانچہ ابو طالب کے ساتھ ان کے درّے میں چلی گئیں۔ کفّار نے ناکہ بندی کر دی کہ کوئی چیز اندر نہ جا سکے۔ اور نہ کوئی شخص درّے سے باہر نکل کر کچھ خرید سکے۔

یہ بائیکاٹ پورے تین سال رہا۔ تین سال کی اس مدت میں ان غریبوں پر کیا بیتی؟ یہ بیان کرنے کے لیے نہ ہمارے قلم میں طاقت ہے اور نہ ہم اپنے اندر ہی اتنی طاقت پاتے ہیں۔ درّے کے اندر بوڑھے بھی تھے، جوان بھی تھے، بچے بھی تھے۔ عورتیں بھی تھیں۔ لڑکیاں بھی تھیں۔ بیمار بھی تھے۔ انسان اپنی ذات تک تو فداکاری کے بڑے بڑے جوہر دکھا سکتا ہے لیکن فداکاری کا یہ معیار قائم رکھنا، ناممکن نہیں تو مشکل ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آنکھوں کے سامنے معصوم اور ننھے بچے بھوک کے مارے روئیں اور تڑپیں اور مائیں کچھ نہ کر سکیں۔ ماؤں کی چھاتیوں کا دودھ خشک ہو گیا ہو اور دودھ پینے والا بچہ ان کی چھاتیوں کو نوچے۔ پھر یہ کہ عورت ذات کو پیدا کرنے والے نے یوں بھی رقیق القلب بنایا ہے۔ کچھ نہیں سوچا جا سکتا کہ اس وقت درّے میں گھری ہوئی ماؤں نے کیسے ان بچوں کو سنبھالا ہوگا۔ بیان کرنے والوں نے بیان کیا ہے کہ کہیں چمڑے کا سوکھا ٹکڑا مل گیا۔ وہ اٹھا لائے، اسے بھگویا اور باری باری سے چوس کر معدے کو دھوکہ دیا۔ مگر غور کیجیے اس سے معدہ بھرے گا یا اس کی آگ اور بھڑکے گی!

ہم ان بے بسوں کا حال لکھ کر پڑھنے والوں کو رلانا نہیں چاہتے ہم تو یہ دکھانا چاہتے

ہیں کہ ایسی حالت میں بھی حضرت خدیجہؓ کا کردار نہایت اعلیٰ وارفع رہا۔اب وہ یہ سوچ رہی تھیں کہ اللہ کا رسولؐ کس طرح آزاد ہو جس کے دم سے تحریکِ اسلامی وابستہ ہے۔

اس بائیکاٹ کے زمانے میں کچھ واقعات ایسے بھی ملتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ محصورین کو دو ایک بار باہر سے امداد مل گئی۔ مگر جب ہم نے اس امداد کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس میں حضرت خدیجہؓ کی ذاتِ گرامی ہی کام کر رہی تھی۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے اپنے غلام کے ذریعہ پھوپھی کے لیے گیہوں بھیجا۔ غلام، لوگوں کی نظروں سے بچ کر جا رہا تھا۔ لیکن ابوجہل شیطانی نظر رکھتا تھا۔ اس نے دیکھ لیا اور شور مچا دیا۔ غلام وفادار تھا۔ اس نے چاہا کہ بچ کر اندر چلا جائے کہ ابوجہل نے پکڑ لیا۔ اور گیہوں چھیننے لگا۔ کشمکش ہونے لگی۔ اتنے میں مکہ کا ایک سردار ابوالبختری آ گیا۔ وہ فطرتاً نیک دل تھا۔ بولا۔ ''ایک شخص اپنی پھوپھی کے لیے کھانے کی کوئی چیز بھیجتا ہے، تو روکنے والا کون ہے؟'' پھر اپنی بات پر ایسا اصرار کیا کہ ابوجہل کو راستے سے ہٹنا پڑا اور سامان پھ پھی کے پاس پہنچ گیا۔

بائیکاٹ کے تین برسوں میں نہ جانے کتنے واقعات ہوئے۔ اور یہ بائیکاٹ کس طرح ختم ہوا۔ آگے آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس کو ختم کرانے میں حضرت خدیجہؓ کی ذاتِ بابرکات نے کام کیا۔

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ حضورؐ کے ساتھ نکاح ہونے سے پہلے ان کی دو بار شادی ہو چکی تھی۔ دونوں شوہروں سے صرف ایک بچی تھی۔ اس کا نام ہند تھا۔ ہند اپنی ماں حضرت خدیجہؓ کے ساتھ اسی حصار میں تھی۔ اس بچی کا ماموں ہشام مخزومی اپنے خاندان کے رئیس زبیر سے ملا۔ یہ زبیر ابوطالب کا بھانجہ تھا۔ ہشام نے زبیر کو غیرت دلائی کہ شرم نہیں آتی! تم حلق سے نوالہ کیسے اتارتے ہو جب کہ تمھارے ماموں کو اس بڑھاپے میں ایک دانہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔

زبیر بھی بھرا بیٹھا تھا۔ یہ طنز سن کر تڑپ اٹھا۔ بولا۔ کیا کروں؟ مجبور ہوں۔ اکیلا ہوں۔ اگر ایک شخص بھی میرا ساتھ دینے کو تیار ہو جائے تو میں اس ظالمانہ معاہدے کو نوچ کر پھینک دوں۔ یہ سن کر ہشام نے حامی بھری۔ پھر یہ دونوں مکہ کے انسانیت پسند لوگوں کے پاس گئے۔ تین آدمی اور مل گئے۔ یہ پانچوں کعبہ میں پہنچے۔ زبیر نے قریش کو پکارا ''لوگو! یہ کیا انصاف ہے کہ سب تو آرام سے کھائیں پئیں اور آلِ ہاشم دانے دانے کو ترسیں۔ خدا کی قسم! جب تک یہ

ظالمانہ معاہدہ پھاڑ کر پھینکا نہ جائے گا۔ اس وقت تک ہم خاموش نہیں بیٹھیں گے۔" یہ سنتے ہی دوسری طرف سے ابوجہل بولا۔ کوئی اس معاہدے کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔" زبیر کے ساتھی زمعہ نے جواب دیا۔ "تو جھوٹا ہے۔ جب یہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا، اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے۔"

بات چیت میں گرما گرمی شروع ہی ہوئی تھی اور بھیڑ زیادہ نہیں ہوئی تھی کہ زبیر کے طرف دار مطعم بن عدی نے ہاتھ بڑھا کر معاہدہ نوچ لیا اور پھاڑ کر پھینک دیا۔ اس کے بعد یہ پانچوں ہتھیار سجا کر درّے میں گئے۔ گھرے ہوئے لوگوں کو باہر لائے۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر ساٹھ سال سے اوپر تھی اور جناب ابوطالب پچاسی کے قریب تھے۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا ہمارے موضوع سے الگ ہے۔ لیکن یہ ضرور بیان کرنے کو جی چاہتا ہے کہ تین برس کے بائیکاٹ میں سب سے زیادہ دو بوڑھوں کی زندگی نے جواب دے دیا۔ ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ پھر سنبھل نہ سکے۔ آگے پیچھے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ تحریک اسلامی دو بڑے ظاہری سہاروں سے محروم ہو گئی۔ اس کا صدمہ حضورؐ کو کتنا تھا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس سال ابوطالبؓ اور خدیجہؓ کی وفات ہوئی، وہ میرے لیے غم کا سال تھا۔"

ابوطالبؓ اور حضرت خدیجہؓ کے اٹھ جانے سے اب قریش کی ہمت بڑھ گئی۔ ابولہب بھی شیر ہو گیا۔ وہ سارے واقعات ان دونوں بزرگوں کی وفات کے بعد ہی کے ہیں جن میں بیان ہوا ہے کہ حضورؐ کی راہ میں کانٹے بچھا دیے جاتے تھے۔ آپ کے گلے میں چادر ڈال کر کھینچا جاتا تھا۔ قرآن لانے والے جبرئیل کو گالیاں دی جاتی تھیں۔ طائف کے مظالم بھی بعد کے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ اپنی سوکنوں میں اپنی مردہ سوکن پر مجھے بڑا رشک آتا ہے۔ حضورؐ حضرت خدیجہؓ کو ایسے الفاظ میں یاد فرماتے تھے کہ میں تڑپ جاتی تھی کہ کاش یہ لفظ میرے حصے میں آتے۔

ایک بار میں نے کہہ دیا۔ "آپ کیا ایک معمر خاتون کو یاد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر بیویاں آپ کو دی ہیں۔"

یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا: "خدا کی قسم! نہیں، ہرگز نہیں۔ خدا نے ان سے بہتر بیوی مجھے نہیں دی۔ خدیجہ اس وقت مجھ پر ایمان لائیں جب لوگ مجھے جھٹلاتے تھے اور انھوں نے اس وقت اپنا مال مجھے دیا جب لوگ مجھے مال دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ اور جب میرا کوئی حامی و مددگار نہ تھا اس وقت انھوں نے میری مدد کی۔"

حضرت ام عمّارہؓ

اسلام کی حمایت کے سلسلے میں ضروری ہے کہ ان کے خاندان کا کچھ تعارف کرادیا جائے کیوں کہ حضرت ام عمارہؓ اپنے خاندان کے ساتھ ہر اس وقت اسلام کی مدد کے لیے جان و مال کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوتی تھیں جب اسلام پر دشمنوں کا نرغہ ہوتا تھا۔

حضرت امِ عمارہؓ انصاریہ ہیں۔ مدینے کے اس انصار خاندان سے تعلق رکھتی ہیں جو خزرج کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اپنے چچازاد بھائی زید بن عاصم سے بیاہی تھیں۔ ان سے دو بیٹے ہوئے۔ ایک کا نام عبد اللہ تھا اور دوسرے کا حبیب۔ زید کے بعد عربہ بن عمرؓ سے شادی ہوئی۔ ان سے بھی دو بیٹے ہوئے، ایک تمیم دوسرے خولہ۔ حضرت امِ عمارہؓ کے یہ چاروں بیٹے ہر وقت اسلام کی حمایت کے لیے تیار رہتے تھے۔ اب نمونے ملاحظہ ہوں:

جنگِ احد اسلامی تاریخ میں بہت مشہور ہے۔ یہ مدینے سے تین چار کلومیٹر دور احد کے میدان میں مکے کے کافروں سے لڑی گئی تھی۔ کافر بڑے ساز و سامان سے آئے تھے۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کی ایک غلطی سے بڑا نازک موقع آ گیا تھا۔ اسلام کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیرؓ اور مشہور جانباز مجاہد حضرت حمزہؓ اچانک شہید ہو گئے۔ مسلمان تتر بتر ہو گئے۔ حضور نبی کریم ﷺ تنہا رہ گئے۔ اب کافروں کا زیادہ تر زور نبی ﷺ کی طرف تھا۔ ایسے نازک وقت میں حضورؐ تک کبھی دو اور کبھی آٹھ دس جانباز ہی پہنچ سکے تھے۔ ان جانبازوں میں حضرت ام عمارہؓ، ان کے شوہر عربہؓ اور دو بیٹے عبد اللہ اور حبیب بھی تھے۔

اس لڑائی کے شروع میں تو حضرت ام عمارہؓ مشک کاندھے پر لادے ہوئے دوڑ دوڑ کر مجاہدوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ پھر جب حضورؐ پر کافروں کی یلغار ہوئی تو حضرت ام عمارہؓ نے مشک کاندھے پر سے اتار کر پھینک دی۔ اور تلوار سونت لی۔ وہ کافروں پر پل پڑیں اور لڑتے لڑتے حضورؐ کے پاس پہنچ گئیں۔ اس جنگ کا حال دیکھنے والوں نے اس وقت کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ وہ اس طرح ہے۔ کہتے ہیں کہ:

حضرت ام عمارہؓ کا حال یہ تھا کہ جیسے شمع کے گرد پروانہ چکر لگاتا ہے۔ اسی طرح حضورؐ کے آس پاس پھر رہی تھیں۔ کافر جب حضورؐ پر حملہ کرتے تو ان کے وار کبھی اپنی تلوار سے کاٹتیں

اور کبھی ڈھال پر روکتی تھیں۔ بیٹوں کو سمجھا دیا تھا کہ جب میں دشمن کے وار کو روکوں تو تم پیچھے سے دشمن کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا کہ اس تدبیر سے جب سوار زمین پر گرتا تو ماں بیٹے مل کر اس کا خاتمہ کر دیتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ خود ہی دشمن کا وار روکتیں۔ اور پھر جھپٹ کر اس کے گھوڑے پر وار کرتیں۔ ٹھیک اسی وقت حضورؐ ان کے بیٹے عبداللہ کو آواز دیتے۔ وہ جھپٹ کر آتے اور دشمن زمین پر ڈھیر پڑا ہوتا۔

اس لڑائی میں ایک موقع پر ایک جیالا کافر ابن قمیہ تلوار سونت کر حضورؐ کی طرف بڑھا۔ وہ ابھی پاس نہیں آیا تھا کہ کسی کافر نے حضورؐ پر پتھر پھینک مارا، جس سے حضورؐ کے دو دانت شہید ہو گئے۔ اس کے بعد ابن قمیہ کی تلوار حضورؐ کے خود کے حلقوں پر پڑی۔ حلقے حضورؐ کے گال میں دھنس گئے اور خون بہنے لگا۔ ام عمارہؓ حضورؐ کا یہ حال دیکھ کر بے چین ہو گئیں۔ انھوں نے بڑھ کر ابن قمیہ کے تلوار ماری۔ مگر وہ ظالم دہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ تلوار نے کام نہیں کیا۔ اس نے پلٹ کر ام عمارہؓ پر وار کیا تو اس کی تلوار ان کے کندھے پر پڑی۔ اور گہرا زخم آیا۔ انھوں نے زخم کی پروا نہیں کی۔ چاہا کہ پھر وار کریں کہ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ ام عمارہؓ خون میں نہا گئیں۔ حضورؐ نے فوراً پٹی بندھوائی۔ جن صحابہ نے اس موقع پر جان پر کھیل کر آپ کو بچایا تھا۔ آپؐ نے ان کا نام لے کر فرمایا: ''واللہ! آج ام عمارہ اسلام کی حمایت میں سب سے بڑھ گئیں۔''

اسی لڑائی میں حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے گئے۔ ''میں تو احد کی لڑائی میں اپنے دائیں بائیں ام عمارہ ہی کو لڑتے دیکھتا تھا۔'' اس لڑائی میں ایک بار ان کے بہادر سپوت عبداللہ زخمی ہو کر گر گئے تو ماں نے بڑھ کر زخم پر پٹی باندھی اور کہا۔ ''اسلام کی حمایت میں اٹھ۔ بڑھ اور کافروں سے لڑ۔'' حضورؐ نے یہ سنا تو فرمایا: ''اے ام عمارہ! جتنی طاقت تجھ میں ہے دوسرے میں کہاں؟''

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اسلام کی حمایت میں کارگزاری دکھاتے دکھاتے جوش ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یہ ہمارا روز کا تجربہ اور مشاہدہ ہے۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ حضرت ام عمارہؓ مرتے دم تک فدا کاری کے جوہر دکھاتی رہیں۔ حدیبیہ، حنین اور خیبر کی لڑائیوں میں پیش پیش رہیں۔ عہد رسالت کے بعد جنگ یمامہ میں ایسی لڑیں کہ احد کی یاد تازہ کر دی۔

اس کا واقعہ یوں ہے کہ حضورؐ کے بعد اہلِ یمامہ میں سے ایک زبردست شخص مسیلمہ

نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور اپنے لیے حمایتی اکٹھا کرنے لگا۔ اس کے قبیلے کے چالیس ہزار بہادر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اب وہ بزور اپنی نبوت منوانے لگا۔ انھی دنوں میں ام عمارہؓ کے عزیز بیٹے حضرت حبیبؓ عمان گئے ہوئے تھے۔ وہ واپس آ رہے تھے۔ راستے میں مسیلمہ کے ہاتھ لگ گئے۔ اس نے اپنی حمایت میں لینے کی کوشش کی۔ انھوں نے لاحول پڑھی۔ حضورؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔ اور اس کی نبوت کو جھٹلایا۔ اس نے دوسرا ہاتھ کٹوا دیا۔ یہ ردوکد ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ اس نے ان کے ہر انکار پر ایک ایک عضو کاٹتے کاٹتے تکّا بوٹی کر دیا۔

یہ دردناک خبر ماں کو ہوئی۔ ماں نے عہد کیا کہ اگر مسلمانوں نے مسیلمہ پر لشکر کشی نہ کی تو اس ظالم کو اپنی تلوار سے جہنم رسید کریں گی۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو چالیس ہزار کا لشکر دے کر یمامہ کی طرف روانہ کیا تو حضرت ام عمارہؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ساتھ لیا۔ اور خلیفہ اوّل کی اجازت سے لشکر کے ساتھ ہولیں۔

جنگِ یمامہ میں اُم عمارہؓ نے شروع ہی سے مسیلمہ کو تاک لیا تھا۔ حملہ ہوا تو بیٹے کو اشارہ کیا۔ اپنی برچھی اور تلوار سے صفیں چیرتی اور زخم پر زخم کھاتی ہوئی مسیلمہ کی طرف بڑھیں۔ یہاں تک کہ اس کے قریب پہنچ گئیں۔ وار کرنا چاہتی تھیں کہ اچانک سامنے سے کسی نے مسیلمہ کے نیزہ مارا اور ایک طرف سے کسی کی تلوار اس پر پڑی۔ پلٹ کر دیکھا تو عبداللہ اپنی تلوار کا خون پونچھ رہے تھے۔ پوچھا ''بیٹے! تو نے ہی مارا۔'' حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا۔ ''امی! اس جھوٹے پر ادھر سے میں نے تلوار ماری اور سامنے سے حضرت وحشی نے نیزہ مارا۔ اب معلوم نہیں کہ اسے قتل کرنے کا شرف مجھے ملا یا وحشی کو۔''

یہ سن کر عمارہؓ بہت خوش ہوئیں۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس لڑائی میں ام عمارہؓ نے بڑے گہرے زخم کھائے تھے۔ ایک ہاتھ بھی کٹ کر گر گیا تھا۔ خالد بن ولیدؓ ان کی خدمات کے قدردان تھے۔ انھوں نے بڑی توجہ سے علاج کرایا۔ وہ اچھی ہو گئیں۔ خالد بن ولیدؓ کے بارے میں ان کی رائے ہے کہ وہ بڑے ہمدرد افسر، بڑی اچھی طبیعت کے سپہ سالار اور بڑے متواضع سردار ہیں۔

اسلام کی حمایت کا نمونہ پھر ایسا دیکھنے میں نہ آیا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ایک بار مال غنیمت آیا۔ اس میں ایک کپڑا نہایت قیمتی تھا۔ اس پر سنہرا کام تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت عمرؓ یہ کپڑا یا تو اپنے بیٹے عبداللہ کو دیں گے یا ام کلثومؓ کو۔ ام کلثومؓ حضرت علیؓ کی بیٹی

تھیں۔عبداللہؓ اورام کلثومؓ کے تقدس کا ثانی اس وقت مشکل سے نظر آتا تھا۔لیکن حضرت عمرؓ نے کہا۔میں یہ کپڑا اسے دوں گا جو اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔یہ کپڑا ام عمارہؓ کو دے دیا اور فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے احد کے دن سنا تھا، حضورؐ نے فرمایا تھا کہ احد کے دن میں جدھر دیکھتا تھا ام عمارہؓ ہی اسلام کی حمایت میں پیش پیش تھیں۔اس کے کچھ دنوں بعد ام عمارہؓ کا انتقال ہو گیا۔اللہ ہمیں بھی ایسی توفیق دے کہ ہم بھی اسلام کی حمایت میں جان و مال قربان کر سکیں۔

دیگر خواتین

اسلام کی حمایت میں ایسے ہی موقعوں پر دوسری پاکیزہ خواتین بھی تن من دھن نثار کیے رہتی تھیں۔غزوۂ خندق میں حضرت صفیہؓ نے آگے بڑھ کر ایک دشمن جاسوس پر خیمہ کی چوب اس زور سے ماری کہ وہ سانس بھی نہ لے سکا۔جنگِ خیبر میں نبی ﷺ نے کچھ صحابیات کو اسلام کی حمایت میں کھڑے دیکھا تو ناراض ہو کر فرمایا: ''تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئیں؟'' جواب ملا۔''یا رسول اللہ! ہم اون کاتتے ہیں اور اس سے اسلام کی مدد کرتے ہیں۔ہمارے ساتھ علاج کا سامان ہے۔ہم مجاہدین کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے ہیں۔اور ستو گھول کر پلاتے ہیں۔ہم سب اسلام کی حمایت میں آئے ہیں۔''

حضرت ام عطیہؓ حضورؐ کے ساتھ سات لڑائیوں میں شریک ہوئیں۔وہ مجاہدین کے سامان کی نگرانی کرتی تھیں۔کھانا پکاتی تھیں۔اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ، ام سلیطؓ اور ام سلیمؓ کو جنگ اُحد میں دیکھا گیا۔دونوں مشک کاندھوں پر لادے دوڑ دوڑ کر مجاہدین کو پانی پلا رہی تھیں۔ام سلیمؓ اپنے ساتھ خنجر بھی رکھتی تھیں۔حنین کی جنگ میں حضورؐ نے ان کو ہاتھ میں خنجر لیے بپھری ہوئی کھڑے دیکھا تو پوچھا۔''یہ کیا۔'' عرض کیا۔ ''جو مشرک ادھر بڑھے گا۔پیٹ پھاڑ دوں گی۔''

حضرت رفیدہؓ نے مسجد نبوی میں خیمہ کھڑا کر رکھا تھا۔جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے۔ان کا علاج اسی خیمے میں کرتی تھیں۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ، بچپن سے اسلام کی حمایت میں پیش پیش رہیں۔نبی ﷺ نے جب ہجرت فرمائی تو وہ آپ کی راز دار تھیں۔کھانا باندھ کر پیش کیا تھا۔غار ثور میں

کھانا دینے ایسی تدبیر سے جاتیں کہ کافروں کو پتہ بھی نہ چلتا تھا۔ بڑھاپے میں جب ان کے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید سے ٹکر لی۔ اور آخر وقت میں ماں سے رائے لینے گئے تو حضرت اسماءؓ کی تقریر ملاحظہ ہو۔ فرمایا:

''اے فرزند! تم اپنی مصلحت کو خود ہی بہتر سمجھتے ہو۔ اگر تم کو اسلام کی حمایت میں حق پر ہونے کا یقین ہے تو تم کو ثابت قدم رہنا چاہیے۔ تم مردوں کی طرح لڑو۔ اور جان کے خوف سے کسی ذلت کی پروا نہ کرو۔ عزت کے ساتھ تلوار کھانا ذلت کے سکھ سے لاکھ درجہ بہتر ہے۔ اگر تم شہید ہو گئے تو مجھے خوشی ہوگی اور اگر تم اس مٹ جانے والی دنیا کے پجاری نکلے تو تم سے زیادہ برا کوئی نہیں کہ خود بھی ہلاکت میں پڑے اور اللہ کے بندوں کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تنہا رہ گئے اور اب اطاعت کے بغیر چارہ نہیں تو یہ شریفوں کا شیوہ نہیں۔ تم کب تک جیو گے؟ بہر حال ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ اس لیے اچھا یہی ہے کہ اسلام کی حمایت میں نیک نام ہو کر مرو۔ تاکہ میں فخر کر سکوں۔''

حضرت خنساءؓ عرب کی مشہور مرثیہ گو شاعرہ کے چار بیٹے تھے۔ وہ اسلام کی حمایت میں چاروں بیٹوں کو لے کر جنگِ قادسیہ میں شریک ہوئیں۔ پھر جب گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی تو دیکھیے کس جوش کے ساتھ بیٹوں کو حمایتِ اسلام کی خاطر جان دینے پر ابھار رہی ہیں۔ فرماتی ہیں:

''میرے پیارے بیٹو! تم اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے اور اپنی مرضی سے تم نے ہجرت کی۔ قسم ہے اس ہمیشہ رہنے والے خدا کی، جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جس طرح تم صرف اپنی ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اسی طرح تم اپنے ایک ہی سگے باپ کے بیٹے ہو۔ میں نے تمھارے باپ سے خیانت نہیں کی اور نہ تمھارے ماموں کو رسوا کیا۔ تمھارا نسب بے داغ ہے۔ اور تمھارے خاندان میں کوئی عیب نہیں۔''

اے بیٹو! تم جانتے ہو کہ مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کرنے کا بڑا ثواب ہے۔ کیوں کہ اس میں جان دے کر اسلام کی حمایت کی جاتی ہے۔ تم اچھی طرح جان لو اور خوب سمجھ لو کہ ہمیشہ رہنے والی آخرت کے مقابلے میں مٹ جانے والی دنیا کچھ بھی تو نہیں۔ خدا آل عمران میں فرماتا ہے:

''مسلمانو! ان تکلیفوں کو جو اسلام کی حمایت اور اللہ کی راہ میں پیش آئیں برداشت کرو

اور ایک دوسرے کو جمے رہنے کی نصیحت کرو اور آپس میں مل کر رہو۔ اور اللہ سے ڈرو تا کہ (آخرت میں) تم اپنی مراد کو پہنچو۔''

تو اے بیٹو! جب تم دیکھو کہ گھمسان کا رن پڑا اور جنگ کے شعلے بھڑ کنے لگے۔ اور اس کے انگارے لڑائی کے میدان میں بکھر گئے تو دشمن کی فوجوں میں گھس جاؤ اور بے دریغ تلوار چلاؤ اور اللہ سے نصرت و کامرانی کی دعا کرتے رہو۔ اللہ نے چاہا تو آخرت کے دن شرف پاؤ گے۔ اور کامیاب ہو گے۔''

ہماری بہنیں کہہ سکتی ہیں کہ آج کل ان کے مواقع کہاں ہیں۔ پھر ہماری تربیت اس طرح ہوئی کہ ہم لڑ نہیں سکتے۔ لیکن عزیز بہنو! اس مضمون میں صرف یہی نہیں ہے اور بھی تو بہت کچھ ہے۔ اپنے بچوں کو اسلام کی حمایت کے لیے ابھار سکتی ہیں۔ دوسرے ذریعوں سے بھی تو اسلام کی مدد کر سکتی ہیں۔ عزیز بہنو! اپنی زبان کو اسلام کی حمایت میں کھولو۔ اپنے مال سے اسلام کی مدد کر سکتی ہو اپنے شوہر کو اسلام کی حمایت میں اٹھا کر کھڑا کر دو۔

اولاد کی تربیت

عام طور سے لوگ اپنی اولاد کو اسی بات کی تربیت دیتے ہیں جس کو وہ خود پسند نہیں کرتے ہیں۔ اگر انھیں یہ پسند ہوتا ہے کہ اولاد بہترین تاجر بنے تو اسے تجارت کے گر بتاتے رہتے ہیں۔ اور اسی ڈگر پر شروع سے ڈال دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ اولاد علم میں شہرت حاصل کرے تو وہ اپنی اولاد کی تربیت کے لیے وہ سارے ذریعے کام میں لاتا ہے جن سے اولاد کو علم حاصل کرنے میں آسانی ہو۔ جن پاکیزہ خواتین کا تذکرہ ہم ان صفحوں میں کررہے ہیں وہ بھی اپنی اولاد کو اسی بات کی تربیت دیتی تھیں جو ان کو ہر چیز سے زیادہ پسند تھی۔ لیکن یہ دیکھیے کہ ان پاکیزہ خواتین کو سب سے زیادہ کیا بات پسند تھی؟

ان پاکیزہ خواتین کے سامنے کوئی ایسی غرض نہ تھی کہ جس کو حاصل کر کے ان کی اولاد ملک التجار یا مالدار ہو جائے یا کوئی دنیاوی اقتدار حاصل کرے۔

وہ تو صرف یہ چاہتی تھیں کہ ان کی اولاد اللہ کی مرضی کے سانچے میں ڈھل جائے۔ ان کی اولاد اسلام کے کام آسکے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کی محبت میں تن من دھن نثار کر سکے۔

چنانچہ ہمارے سامنے ایسے بہت سے نمونے ہیں، ان میں سے کچھ پیش کیے جارہے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کے گھر اپنی اولاد میں چار بیٹیاں نبی ﷺ سے تھیں۔ اور پچھلے دو شوہروں سے ایک بٹی اور ایک بیٹا۔ ان چھ بیٹے بیٹیوں کے ساتھ حضرت علیؓ بھی حضرت خدیجہؓ کے گھر رہتے تھے۔ یاد رہے کہ جب حضور ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کی تھی تو اپنے چچا ابوطالب سے الگ رہنے لگے تھے۔ اور چونکہ ابوطالب کے آل اولاد زیادہ تھی۔ اس لیے ایک بیٹے حضرت علیؓ کو اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔ حضرت علیؓ اس وقت پانچ برس کے تھے۔ حضرت علیؓ کی

پرورش اور پرداخت کے بارے میں ایک صاحبِ قلم نے کس مزے کی بات لکھی ہے۔ لکھتا ہے کہ:

نبی کریم ﷺ کو نبوت کی ذمہ داریوں نے ایسا مصروف کر رکھا تھا کہ آپ کو گھر اور بال بچوں کی دیکھ بھال کے لیے وقت نہیں ملتا تھا۔ وہ حضرت خدیجہؓ تھیں جو گھر کو بنائے ہوئے تھیں اور حضورؐ سے جو اشارے پاتی تھیں انھی کے مطابق بال بچوں کی پرورش پرداخت کر رہی تھیں۔ پانچ برس کے علی کو حضرت علیؓ بنانے میں اگر ایک طرف پروردگار عالم کی رحمت کام کر رہی تھی تو دوسری طرف خدیجہؓ کا بھی ہاتھ تھا۔

حضرت خدیجہؓ کے سامنے اس وقت سب سے بڑا مرحلہ یہ تھا کہ ان کے جیتے جی رسول خداؐ کو مکہ کے قریش زک نہ پہنچا ئیں۔ چنانچہ اولاد کے دل ودماغ میں سب سے زیادہ جو چیز بھر دی تھی وہ تھا حمایتِ رسول کا جذبہ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی چھ سات برس کی بچی (بی بی فاطمہ) نے جب سنا کہ حضور ﷺ کے اوپر حرم کے اندر کافروں نے اونٹ کی اوجھ ڈال دی ہے تو دوڑتی ہوئی پہنچیں آپ کے اوپر سے اوجھ ہٹائی اور کافروں کو بری طرح لتاڑا۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بار جب حضورؐ کو دشمنوں نے گھیر لیا تو حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر کے بیٹے ہالہ جو نوجوان تھے، دوڑ کر گئے اور آپ کو بچانے لگے۔ ہالہ کے پہنچ جانے سے یہ تو ہوا کہ حضورؐ بچ گئے۔ لیکن اس فداکار پر کچھ ایسی چوٹیں پڑیں کہ جانبر نہ ہو سکے۔

حضرت فاطمہؓ۔ وہی بی بی فاطمہ جن کے بچپن کا کارنامہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ بڑی ہوئیں تو حضرت علیؓ سے نکاح ہوا۔ آپ سے جو اولادیں ہوئیں ان میں حسن اور حسین زندہ رہے۔ اور انھوں نے دین کی جو خدمت انجام دی۔ سب جانتے ہیں۔ یہ دونوں حضرات ایسے کیسے بنے۔ اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

حسن حسین دونوں بھائی چھوٹے تھے تو ایک بار کھیل ہی کھیل میں لڑ پڑے۔ پھر دونوں والدہ ماجدہ کے پاس شکایت کرنے گئے۔ حضرت فاطمہؓ نے دونوں کی شکایتیں سنیں۔ پھر فرمایا:

میں یہ کچھ سننا نہیں چاہتی کہ حسن نے حسین کو پیٹا یا حسین نے حسن کو۔ میں تو صرف یہ جانتی ہوں کہ تم دونوں لڑے اور لڑائی اللہ کو پسند نہیں۔ تم دونوں نے اللہ کو ناراض کیا۔ جس سے اللہ ناراض، اس سے میں بھی ناراض۔ چلو بھاگو یہاں سے۔ دونوں بھائیوں نے ماں کی نظر دیکھی۔ جھٹ آپس میں میل کر لیا۔ اور مُنّے مُنّے ہاتھ اٹھا کر اللہ سے معافی مانگی۔

عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بڑی ہستیاں جن کو ہم اپنے لیے نمونہ سمجھتے ہیں۔ آپ سے آپ ایسی نہیں بن گئیں۔ ان کو بنانے میں ان کی ماؤں نے انھیں ہر وقت اپنی نظر میں رکھا ہے۔ اور جس جگہ جب روک ٹوک کی ضرورت سمجھی بروقت روک ٹوک کی۔

حضرت اروٰی بنت عبد المطلبؓ حضورؐ کی پھوپھی تھیں۔ مشہور دشمنِ اسلام ابولہب کی ماں جائی بہن تھیں۔ ابولہب کے کرتوت ان کے سامنے تھے۔ انھوں نے اپنے بیٹے حضرت طلیب کی پرورش اس انداز سے کی کہ وہ اکثر ابولہب کے آگے روک بن کر کھڑے ہوجاتے تھے۔

ایک بار ابولہب نے حضورؐ کی شان میں بڑی گستاخی کی تو حضرت طلیبؓ نے اسے پیٹا اور رسّی سے جکڑ دیا۔ ابولہب نے بہن سے بھانجے کی شکایت کی تو بہن نے جواب دیا۔ بھائی! تو نے مجھے آج جو خوش خبری سنائی اس سے بڑھ کر دوسری خوش خبری میرے لیے نہیں ہوسکتی۔ طلیبؓ کی زندگی کا وہ لمحہ نہایت قیمتی تھا۔ جب اس نے تجھے پیٹا اور باندھ دیا۔

پھر بیٹے کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا: ''پیارے بیٹے! تو نے جس شخص کی حمایت کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا۔ اگر مردوں کی طرح میرے لیے بھی ممکن ہوتا تو میں بھی نبی کریم ﷺ کی حفاظت کرتی اور آپ کی طرف سے لڑتی۔ اگر تیرا ماموں پھر یہ گستاخی کرے تو ہرگز معاف نہ کرنا۔''

ام سلیمؓ: مدینے کے انصار میں سے جن بزرگوں نے مسلمان ہونے میں پہل کی ان میں ام سلیمؓ بھی تھیں۔ ان کے مسلمان ہونے پر ان کے شوہر مالک بن نضر کو بڑا دکھ ہوا۔ ان کا ایک بچہ تھا۔ ام سلیمؓ بچے کو ہر روز کلمہ پڑھنا سکھاتی تھیں۔ مالک بن نضر سنتے تو خفا ہوکر کہتے کہ تم میرے بچے کو بھی بے دین کیے دیتی ہو۔ پھر وہ ایسا ناراض ہوئے کہ شام چلے گئے۔ اور وہیں کسی نے انھیں مار ڈالا۔ ام سلیمؓ بیوہ ہوگئیں۔ تو سب سے زیادہ جو فکر تھی یہ تھی کہ بچے کی تربیت بہترین ہوسکے۔

ام سلیمؓ نہایت خوب صورت اور مال دار خاتون تھیں۔ نکاح کے لیے بہت سے پیغام آئے۔ لیکن انھوں نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ جب تک میرا بچہ مجلسوں میں بیٹھنے اٹھنے اور بات کرنے کے لائق نہ ہوگا اس وقت تک شادی نہ کروں گی۔ پھر جب بیٹا راضی ہوگا تو نکاح کروں گی۔

اللہ کا فضل ملاحظہ ہو۔ تھوڑے ہی دنوں بعد نبی ﷺ مکہ معظّمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے۔ ام سلیمؓ اپنے آٹھ برس کے بیٹے کو لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں

اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس بچے کو اپنی خدمت کے لیے اپنے پاس رکھ لیں۔ حضورؐ نے یہ درخواست منظور فرمالی۔ آگے چل کر یہی بچہ حضرت انس کے نام سے جانا پہچانا گیا۔ حضرت انسؓ رضی اللہ عنہ بہت سی حدیثوں کے راوی ہیں۔ حضرت انسؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کو جزائے خیر دے۔ انھوں نے مجھے خوب ہی پالا۔ اور تربیت کا حق ادا کردیا۔

حضرت انسؓ کو حضورؐ کی خدمت میں دینے کے بعد بھی ان کی دیکھ بھال میں کمی نہ کرتی تھیں۔ ایک بار حضورؐ نے حضرت انسؓ کو کسی کام سے کہیں بھیجا اور فرمایا کہ کسی کو بتانا نہیں۔ اس کام میں حضرت انس کو دیر ہوگئی۔ واپس ہوئے تو ام سلیمؓ نے پوچھا۔ وہ کیا کام تھا جس میں اتنی دیر ہوگئی۔ جواب دیا۔ ''نبی ﷺ کا ایک کام تھا۔ اور وہ آپؐ کا ایک راز ہے۔ جو میں ہرگز نہیں بتاؤں گا۔'' اُم سلیمؓ نے یہ سنا تو بیٹے کو شاباشی دی اور فرمایا۔ ''ہرگز نہ بتانا۔ کسی کو نہ بتانا۔ یہ نبی ﷺ کا راز ہے۔''

دھیان دیجیے۔ کیا حضرت انسؓ جیسے بزرگ بزرگوں کی محنت اور توجہ کے بغیر ایسے بن گئے۔ نہیں حضرت انس کو حضرت انسؓ بنانے میں حضورؐ کی توجہ تو تھی ہی۔ مگر ماں کی تربیت کا بھی بڑا حصہ تھا۔

حضرت امّ ہانیؓ: مشہور صحابیہ ہوئی ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ اولاد کی پرورش کی خاطر انھوں نے ایسی نعمت قبول نہیں کی، جس کو دوسری خواتین ہرگز چھوڑ نہیں سکتی تھیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت اُم ہانی کی پھر بھی قدر فرمائی۔ ملاحظہ ہو:

ام ہانیؓ بیوہ ہوگئیں تو ان کی اور ان کے گھرانے کی اسلامی خدمات کی وجہ سے حضورؐ نے انھیں اپنے نکاح میں لینا چاہا۔ انھوں نے معذرت پیش کی۔ عرض کیا ''یا رسول اللہ! آپ مجھے میری آنکھوں سے زیادہ عزیز ہیں۔ لیکن شوہر کا حق بہت زیادہ ہے۔ اس لیے مجھے خوف ہے کہ اگر میں شوہر کا حق ادا کروں گی تو بچوں کی طرف سے بے پروائی کرنا پڑے گی۔ اور اگر بچوں کی پرورش میں لگی رہوں گی تو شوہر کا حق ادا نہ کرسکوں گی۔''

حضورؐ نے یہ معذرت سنی تو تحسین فرمائی۔

علم سیکھنا

علم سیکھنے اور اس کے پھیلانے کے بارے میں نبی کریم ﷺ کے ارشادات موجود ہیں۔ آپ نے شروع ہی سے مسلمانوں کو علم کا شوق دلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آپ کو ملتا رہا، آپ اللہ کے بندوں تک پہنچاتے رہے۔ اور تاکید فرماتے رہے کہ اسے یاد رکھیں۔ چنانچہ صحابہؓ اور صحابیاتؓ کے بارے میں ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ انھوں نے حضورؐ سے علم سیکھنے میں کمی نہیں کی۔ اور پھر آپؐ سے جو علم ملا وہ دوسروں تک پہنچایا۔ شروع ہی کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب سنا کہ ان کے بہنوئی زیدؓ اور ان کی بہن فاطمہؓ دونوں مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ غصّے میں ان کے گھر پہنچے۔ اس وقت وہ دونوں حضرت خبابؓ سے تازہ نازل شدہ آیات یاد کر رہے تھے۔

حضرت عائشہؓ انصاری خواتین کی تعریف اس طرح کرتی ہیں کہ "انصار کی عورتیں بہترین عورتیں ہیں۔ دین کا علم حاصل کرنے میں شرم ان کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم الفاظ سے زیادہ اصل تعلیم کو یاد کرنے کی زیادہ کوشش کرتے تھے۔

ام المومنین کے الفاظ یہ ہیں: نبی ﷺ کے زمانے میں جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو ہم اس میں بتائے ہوئے حرام و حلال اور ان باتوں کو جن کے بارے میں کرنے کا حکم ہوتا تھا، اور ان باتوں کو جن سے منع کر دیا جاتا تھا۔ یاد کر لیتے تھے۔ چاہے اس کے الفاظ یاد نہ کریں۔

نبی ﷺ کو خود اس بات کا خیال رہتا تھا کہ دین کا علم عورتوں تک کسی نہ کسی طرح پہنچنا چاہیے۔ چنانچہ آپؐ عورتوں کو ترغیب دیا کرتے تھے کہ وہ عید اور بقر عید میں عیدگاہ جایا کریں اور وہاں حضورؐ کا خطبہ سنیں۔ حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں:

بالغ اور پردہ نشین عورتوں کو جو ایام میں ہوں عید گاہ چلنا چاہیے۔ وہاں وہ عورتیں جو ایام میں ہوں نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔ لیکن خیرات اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہوں۔

ایک عورت نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا ایام والی عورتیں بھی؟ حضرت ام عطیہؓ نے جواب دیا۔ ''ہاں کیا وہ عرفات اور فلاں فلاں جگہ حاضری نہیں دیتیں؟''

چونکہ ہم لوگوں میں عورتیں مردوں سے پیچھے رہتی تھیں اس لیے نبی ﷺ ان کو سنانے کے لیے اپنی آواز بلند فرما دیا کرتے تھے۔ حضرت خولہ بنت قیسؓ فرماتی ہیں کہ جمعہ کے دن نبی ﷺ کا خطبہ میں اچھی طرح سن لیا کرتی تھی۔ جب کہ میں عورتوں میں سب سے آخر میں ہوتی تھی۔

حضورؐ کو یہ شبہ ہوتا کہ آپ کی بات عورتیں اچھی طرح نہیں سمجھ سکیں تو آپ دوبارہ وعظ فرماتے۔ ان کے قریب جاتے۔ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:

> ''نبی ﷺ کو خیال ہوا کہ آپؐ عورتوں کو اپنی بات نہیں سنا سکے تو آپ نے دوبارہ ان کو نصیحت کی اور صدقہ وخیرات کا حکم دیا۔''

حضورؐ نماز میں جو سورت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ عورتیں وہ سورت آپ کی زبان سے سن سن کر یاد کر لیا کرتی تھیں۔ بنت حارثہ کہتی ہیں کہ میں نے سورۃ قؔ اسی طرح یاد کی۔

قرآن کی تعلیم اور نبی ﷺ کی ترغیب نے عورتوں کے اندر علم کی پیاس بڑھا دی تھی۔ یہ محسوس کر کے کہ ضرورت کے مطابق عورتوں کو موقع نہیں مل رہا ہے۔ نبی ﷺ عورتوں کے خاص اجتماعات کرایا کرتے تھے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں:

عورتوں نے نبی ﷺ سے کہا۔ ''حضورؐ کے آس پاس مرد چھائے رہتے ہیں۔ اس سے ہم جیسا چاہیے فائدہ حاصل نہیں کر پاتے۔ تو آپؐ ہمارے لیے ایک الگ دن مقرر فرما دیں۔ حضورؐ نے ایک دن بتا دیا اور اس دن تشریف لے گئے اور وعظ و نصیحت فرمائی۔ اور نیکیوں کا حکم دیا۔

ایسا بھی ہوتا کہ حضورؐ اکابر صحابہ میں سے کسی کو خواتین کے اجتماع میں بھیج دیا کرتے تھے۔ ام عطیہؓ حضرت عمرؓ کی آمد پر فرماتی ہیں:

عمرؓ آئے۔ انھوں نے دروازے کے پاس کھڑے ہو کر سلام کیا۔

ہم نے سلام کا جواب دیا۔

انھوں نے کہا۔ مجھے نبی ﷺ نے تمھارے پاس بھیجا ہے۔ حضورؐ نے حکم دیا ہے کہ تم عورتوں میں نوجوان اور ایام والی عورتوں کو بھی عید گاہ لے چلو۔

اور یہ کہ تم پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ اور یہ کہ حضورؐ نے تم کو جنازوں کے پیچھے چلنے سے منع کیا ہے۔ یعنی شرکت سے روکا ہے۔

یہ سب کچھ ہونے کے باوجود عورتیں گھریلو کاموں کی وجہ سے اکثر حضورؐ کی صحبت سے محروم رہتی تھیں۔ اس لیے نبی ﷺ مردوں (صحابہ کرامؓ) کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ:

جاؤ اپنے اہل وعیال (بال بچوں) کی طرف اور انھی میں رہو۔ اور ان کو دین کی باتیں سکھاؤ۔ ان پر عمل کرنے کا حکم دو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا

''اے مسلمانو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔''

بیوی بچوں کو دین کا علم سکھانے پر نبی ﷺ نے بڑے ثواب کا یقین دلایا ہے۔ بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی بچوں کو اچھی تعلیم وتربیت دینے کا اجر جنت ہے۔ ایک حدیث باپ کے بارے میں ہے:

''جس نے تین لڑکیوں کو پالا۔ ان کو ادب اور سلیقہ سکھایا۔ ان کی شادی کی۔ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو اس کے لیے جنت لکھ دی گئی۔''

شوہر کے بارے میں ملاحظہ ہو:

''تین قسم کے آدمیوں کو دوگنا ثواب ملے گا۔ ان میں سے ایک وہ ہے جس کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اسے ادب سکھائے اور اچھا ادب سکھائے۔ تعلیم دے اور اچھی تعلیم دے۔ پھر اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لے۔''

اس کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضورؐ کے زمانے ہی میں خواتین کے اندر علم کا شوق ابھر آیا تھا۔ خواتین میں اکثر ایسی ہوئیں جو اعلیٰ درجہ کی عالمہ اور فاضلہ تھیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ چونکہ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں اور اللہ کے رسولؐ کی بیوی تھیں۔ خود بھی بے حد ذہین تھیں، اس لیے ام المومنین نے وہ کچھ حاصل کیا جس کا جواب نہیں۔ بڑے بڑے صحابہ حتیٰ کہ خود شیخین (ابوبکر وعمرؓ) علم میں ان سے استفادہ کرتے تھے۔ ان کے بعد ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا نمبر ہے۔

ان دو بزرگ خواتین کے بعد ان خواتین نے علم وفضل میں اونچا مقام حاصل کیا:

حضرت ام عطیہؓ۔ حضرت صفیہؓ۔ حضرت حفصہؓ۔ حضرت ام حبیبہؓ۔ لیلیٰ بنت وقائفؓ۔

حضرت اسماءؓ۔ حضرت ام شریکؓ۔ حضرت خولہؓ۔ حضرت عاتکہ بنت زیدؓ۔ حضرت سہلہؓ۔ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ۔ (خدا ان سب سے راضی ہو)

اس سلسلے میں ایک نہایت دل چسپ اور نصیحت سے بھرا ہوا واقعہ ہے۔ اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ نبی ﷺ سے علم حاصل کرنے کی کوشش خواتین کس طرح کرتی تھیں۔ اور یہ کہ آپس میں وہ اپنا علم بڑھانے کے لیے کیا تدبیریں کرتی تھیں۔ اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوگا کہ پاکیزہ خواتین اللہ کی خوشی حاصل کرنے میں کس درجہ حریص تھیں۔ ہم کتابوں سے وہی واقعات لے کر آج کی بہنوں کے لیے پیش کر رہے ہیں جن سے آج بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ واقعہ یوں ہے:

ایک بار مدینے میں خواتین جمع تھیں۔ اس مجمع میں یہ خیال ظاہر کیا جانے لگا کہ مرد جہاد کرتے ہیں۔ جمعہ کی نماز جماعت سے پڑھتے ہیں۔ جنازے کی نماز میں شریک ہوتے ہیں۔ اس طرح کی عبادتیں ہم عورتوں پر فرض نہیں ہیں اس لیے ہم ان بڑے بڑے ثواب سے محروم ہیں۔

اس سوچ بچار نے خواتین میں بے چینی پیدا کر دی۔ طے یہ ہوا کہ نبی ﷺ سے پوچھنا چاہیے کہ ہم ثواب میں مردوں کے برابر کس طرح ہوں؟

اب سوال یہ ہوا کہ ہم میں کون ایسی خاتون ہے جو ہماری بہتر نمائندگی کرے۔ سب نے حضرت اسماء بنت یزیدؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضورؐ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت اسماءؓ حضورؐ کی خدمت میں پہنچیں۔ اس وقت بڑے بڑے صحابہؓ حضورؐ کے پاس بیٹھے تھے۔ حضرت اسماءؓ نے اس طرح اپنا کیس پیش کیا:

> ”یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھے انصار خواتین نے اپنا نمائندہ بنا کر آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ میں تمام خواتین کی طرف سے ایک مشترکہ درخواست لے کر حاضر ہوئی ہوں۔
>
> یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردوں اور عورتوں، سب کے لیے نبیؐ بنا کر بھیجا ہے۔ ہم نے آپ کو نبی مان لیا۔ ہم سب نے اللہ کو اپنا الٰہ تسلیم کر لیا۔ لیکن ہم عورتیں بہت سی نیکیوں کے ثواب سے محروم رہتی ہیں۔ کیوں کہ ہم سب اپنے مردوں کے گھروں میں پڑی رہتی ہیں۔ اولاد کو اٹھائے پھرتی ہیں۔ آپ لوگ مرد ہیں۔ مردوں

کو ہم سے زیادہ ثواب کے مواقع حاصل ہیں۔ وہ جمعہ کی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں۔ جنازے کی نماز پڑھتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ ان کو دینی اجتماعات میں اور آپ کی خدمت میں بیٹھنے کا موقع زیادہ سے زیادہ ملتا ہے۔ اور جب آپ حج، عمرہ اور جہاد کے لیے گھروں سے باہر ہوتے ہیں۔ تو ہم عورتیں آپ کے گھروں کی حفاظت کرتی ہیں۔ اور آپ کی اولادوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ یہ ہماری حالت ہے۔ کیا اس حال میں ہم عورتیں بھی مردوں کے ساتھ اجر و ثواب میں شریک سمجھی جائیں گی؟''

حضور ﷺ نے یہ تقریر غور سے سنی۔ پھر صحابہؓ سے پوچھا: کیا تم سب نے اس عورت سے بہتر کسی کو دین کے بارے میں سوال کرتے پایا۔ سب نے عرض کیا۔ ''نہیں۔ یا رسول اللہ! ہم تو یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایک عورت بھی اتنی عمدہ تقریر کر سکتی ہے۔ بے شک اس خاتون نے اپنی جنس کی بہترین نمائندگی کی ہے۔''

اب نبی ﷺ نے حضرت اسماءؓ کی طرف دیکھا۔ فرمایا: ''تم کو جن عورتوں نے نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ تم ان سے کہہ دو: عورت کا اپنے شوہر کی اطاعت اور خاطر کرنا ان ساری عبادتوں کے ثواب کے برابر ہیں۔''

حضرت اسماءؓ حضورؐ کا یہ پیغام لے کر واپس ہوئیں۔ انھوں نے خواتین کو یہ پیغام سنایا تو ساری خواتین خوش ہو گئیں۔

نوٹ: وہ بہن اور بھائی جو صحابیات کے حالات سے واقف ہیں یہ کہہ سکتے ہیں کہ سب سے زیادہ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے سیکھا اور ان کے سیکھنے کا طریقہ بھی عمدہ تھا۔ تو ان مضامین میں ان کو کیوں شامل نہیں کیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے حالات میں اس طرح کے واقعات کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے ہم کیا چھوڑیں اور کیا لکھیں۔ یہ بات فیصلہ طلب ہے۔ چنانچہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس سلسلے کے بعد سیرت عائشہؓ پر ہم ایک سلسلہ شروع کریں گے اور اس میں انشاء اللہ اپنے انداز پر وہ تفصیل سے لکھیں گے جو مطلوب ہے۔[1]

---

(۱) ''ام المومنین حضرت عائشہؓ ــــ خواتین کے لیے نمونۂ عظیم'' کے نام سے یہ کتاب چھپ گئی ہے۔

تبلیغ یعنی دین پھیلانا

ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو شخص مسلمان ہوتا تھا۔ وہ چاہے مرد ہو یا عورت۔ مسلمان ہونے کے بعد اسلام پھیلانے کی کوشش میں لگ جاتا تھا۔ جس طرح مسلمان ہونے والے مردوں نے اپنی بیویوں، بہنوں، ماؤں اور دوسرے لوگوں کو مسلمان کرنے کی کوشش کی۔ اسی طرح مسلمان ہونے والی عورتوں نے بھی اپنے شوہروں، بھائیوں اور دوسرے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ آدمی 'لا اِلٰہ الا اللہ' کا مطلب سمجھ لے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام پہچان لے۔ انھی دو باتوں پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر کچھ نمونے ملاحظہ ہوں۔

حضرت سمیہؓ مکہ کے مشہور گھرانے بنی مخزوم کی لونڈی تھیں۔ وہ مسلمان ہوئیں تو انھوں نے اپنے شوہر یاسر اور بیٹے عمار کو حضورؐ کی خدمت میں پہنچایا۔ اور وہ دونوں بھی مسلمان ہو گئے۔

حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ مسلمان ہوئیں تو حضرت عمرؓ بہت برہم ہوئے۔ ان کے گھر پہنچ کر ان کو ان کے شوہر زید کو اتنا مارا کہ لہولہان کر دیا۔ لیکن ہوا یہ کہ اسی وقت بہن کی باتوں سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اور پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضری دی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ راستے میں ایک عورت ملی۔ اس کے پاس پانی تھا۔ صحابہؓ ساتھ تھے۔ صحابہؓ نے اس سے پانی لیا۔ حضورؐ نے پانی کی قیمت دی۔ اور اسلام پیش کیا۔ وہ عورت مسلمان ہو گئی۔ پھر اپنے قبیلے میں پہنچی اور اس نے سارے قبیلے کو مسلمان کیا۔ (بخاری شریف)

حاتم طائی کی بیٹی ایک لڑائی میں گرفتار ہو کر حضورؐ کی خدمت میں لائی گئیں۔ آپؐ نے ان کو آزاد کر دیا۔ لیکن انھوں نے طے قبیلے کے دوسرے قیدیوں کے بارے میں سفارش کی تو آپ

نے ان سب کو بھی آزاد کر دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ مسلمان ہوگئیں۔ اپنے بھائی عدی بن حاتم سے ملیں۔ حضورؐ کے برحق نبی ہونے پر بھائی کے سامنے ایک تقریر کی۔ عدی مسلمان ہوگئے۔ اور حضورؐ کی خدمت میں حاضری دینے لگے۔

حضرت ام شریکؓ مسلمان ہوئیں تو مکہ کے گھر میں پہنچ کر عورتوں کو اسلام کی دعوت دینے لگیں۔ مکے کے لوگ ان سے بہت برہم ہوگئے اور ان کو مکے سے نکال دیا۔

فتح مکہ کے وقت حضرت عکرمہؓ بھاگ کر یمن چلے گئے ہیں۔ ان کی بیوی ام حکیم بنت الحارثؓ مسلمان ہوگئیں۔ پھر وہ یمن پہنچیں۔ شوہر کے سامنے ایسی حکمت سے اسلام پیش کیا کہ وہ مسلمان ہوگئے۔ حضرت ام حکیمؓ ان کو حضورؐ کے پاس لائیں۔

حضرت ام سلیمؓ مشہور صحابیہ ہیں۔ وہ مسلمان ہوئیں تو مدینے کے محلوں میں جا جا کر اسلام کی تبلیغ کرتی تھیں۔ وہ بیوہ ہوئیں۔ تو ان کے قبیلے کے ایک صاحب طلحہ نے شادی کا پیغام دیا۔ اس وقت ابوطلحہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ام سلیمؓ نے ان پر اس طرح تبلیغ کی۔

''اے ابوطلحہ! میں تو محمد ﷺ پر ایمان لائی ہوں اور گواہی دیتی ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ تعجب ہے کہ تم اتنے سمجھ دار آدمی ہو لیکن اب تک مسلمان نہیں ہوئے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم لکڑی اور پتھر کو پوجتے ہو۔ ان کے بت بناتے ہو۔ یہ بے جان تمھیں کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تم کو سوچنا چاہیے کہ میں مسلمان ایک مشرک سے کس طرح شادی کر سکتی ہیں۔'' یہ تقریر سن کر ابوطلحہؓ دن بھر غور کرتے رہے۔ صبح کو ام سلیمؓ کے پاس گئے اور مسلمان ہوگئے۔

حضرت ناجیہؓ۔ انصار کے ایک مشہور خاندان بنو اسلم کی خاتون تھیں۔ والد ماجد سہیل بن عمرؓ عرب کے مشہور تاجر اور قبیل اسلم کے سردار تھے۔ حضرت ناجیہؓ اس وقت مسلمان ہوئیں جب حضورؐ ہجرت فرما کر مدینے پہنچے۔ ان کے خاندان والے مدینے سے کچھ فاصلے پر رہتے تھے۔ مگر یہ خود مدینہ طیبہ میں رہا کرتی تھیں۔

حضرت ناجیہؓ نہایت سنجیدہ اور حسین وجمیل تھیں۔ قبیلہ بنو اسلم میں ان سے بڑھ کر دوسری عورت نہ تھی۔ شعر و سخن سے بھی بے حد دل چسپی رکھتی تھیں۔ ان کے اشعار پر اثر ہوتے تھے۔

حضرت ناجیہؓ کو اشاعتِ اسلام سے بہت دل چسپی تھی۔ ان کا یہ معمول تھا کہ مہینہ میں دو مرتبہ مختلف قبائل کی خواتین کے پاس جایا کرتی تھیں۔ اور ان کے سامنے اسلام کے فضائل و

محاسن بیان کرتی تھیں۔ ان کی تقریر میں بڑا اثر ہوتا تھا۔ جب وہ عورتوں کے مجمع میں وعظ فرماتی تھیں تو ایک عجیب اثر طاری ہوتا تھا۔ جب تک وعظ ختم نہ ہوتا تھا عورتیں دھیان سے سنتی رہتی تھیں۔ وہ بڑی اچھی عادت کی تھیں۔ جب انھیں یہ معلوم ہوتا کہ فلاں قبیلہ کی عورت بیمار ہے۔ اوراس کا کوئی ہمدردنہیں ہے۔ تو وہ بے چین ہوکراس کے یہاں پہنچ جاتیں اور جب تک اسے آرام نہ ہوجاتا بلا ناغہ اس کے لیے کھانا وغیرہ بھیجتیں اوراس کی تیمارداری کا فرض انجام دیتی تھیں۔ ان کی ہمدردی مسلم عورتوں ہی تک محدود نہ تھی۔ وہ ہر قوم کی غریب عورت کی خدمت اپنا فرض سمجھتی تھیں۔ ان کی اس ہمدردی کی وجہ سے تمام قبائل کی عورتیں ان کی عزت کرتی تھیں۔ حضرت ناجیہؓ کی کوششوں سے ایک سو بارہ عورتیں مسلمان ہوئیں۔ وہ اگرچہ ایک دولت مند باپ کی صاحبزادی تھیں۔ مگران کے مزاج میں غرور کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ حافظہ اس قدر تیز تھا کہ جو بات توجہ سے سن لیتی تھیں یاد ہوجاتی تھی۔ تبلیغ میں یہ باتیں بڑا کام دیتی تھیں۔

جنگِ یرموک کی فتح کے بعد حضرت ناجیہؓ اپنے شوہر کے ساتھ مدائن پہنچیں۔ وہاں آپ نے ایرانی خواتین کے ایک عظیم الشان اجتماع میں یہ تقریر فرمائی:

''ہر طرح کی تعریف اللہ پاک کے لیے ہے۔ جو ایک ہے۔ اوراس جیسا دوسرا نہیں۔ اللہ ہی زمین اورآسمانوں کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اوراس کے سوا کوئی معبودنہیں۔ جب کوئی گناہ گار آدمی اس کے آگے توبہ کے لیے سر جھکاتا ہے۔ تو وہ مہربان اس کے گناہوں کو معاف کردیتا ہے۔ اوراپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

محترم بہنو! آج میں آپ کو اپنے رسول مکرم ﷺ کے کچھ حالات سنانا چاہتی ہوں۔ امید ہے کہ آپ اطمینان سے میرے بیان کو سنیں گی۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے عراق، شام، اورایران وعرب میں جہالت کی گھٹائیں چھارہی تھیں اور ہرطرف ظلم وستم کی حکمرانی تھی۔ انسانیت کے حقوق پامال ہوگئے تھے۔ عورتوں کا درجہ جانوروں سے بھی بدتر تھا۔ وہ کبھی شیطان سمجھی جاتی تھیں تو کبھی ''پتھر''۔ اخلاقی قوانین درہم برہم ہوگئے تھے۔ اور برے کاموں سے کوئی شرمندہ نہ ہوتا تھا۔ ان حالات میں حضور، آقائے نامدار رسولِ معظم ﷺ نے اپنی پاک اور مقدس تعلیمات سے ظلم وستم، جھوٹ اورفریب کا خاتمہ کیا۔ اور جاہل وحشیوں کو انسان بنایا۔

عربوں کی مظلومیت حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ حضور مصلحِ اعظم رحمت عالم ﷺ نے انھیں خاک سے اٹھا کر آسمان پر پہنچایا۔

محترم بہنو! میں درخواست کرتی ہوں کہ غلط راستہ چھوڑ کر صحیح راستہ اختیار کرو۔ تاریکی سے نکل کر روشنی میں آجاؤ۔ اللہ بھی تمھاری مدد کرے گا۔"

یہ تقریر سن کر بہت سی خواتین مسلمان ہوگئیں۔

اسلام پھیلانے والی پاک خواتین کے یہ نمونے ہمارے سامنے ہیں۔ ان نمونوں کو سامنے رکھ کر اگر آج ہماری بہنیں اور مائیں اسلام پھیلانے میں لگ جائیں تو اللہ تعالیٰ انھیں ضرور کامیابی عطا فرمائے گا۔ شرط یہ ہے کہ جس سانچے میں یہ نمونے ڈھلے ہوئے ہیں۔ اس میں پہلے خود ڈھل جائیں اپنا ایمان ان نمونوں جیسا بنائیں۔ اپنا اسلام ایسا ہی بنائیں۔ اپنے اخلاق کو انھی جیسا سنواریں اور وہی تڑپ اپنے اندر پیدا کریں، جو ان پاکیزہ خواتین میں تھی۔ اپنے گھروں کے اندر اپنے بچوں اور بھائیوں اور بڑوں کو اٹھتے بیٹھتے اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اپنے پڑوس سے تعلقات بڑھائیں۔ وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت کریں۔ ان میں تحفے بھیجیں۔ چاہے وہ تحفہ بقول حضور ﷺ بکری کا ایک کھر ہی کیوں نہ ہو۔ ان سے اسلامی باتیں کریں۔ اسلام کا حق ہونا ان پر واضح کریں۔

آج کل ہماری تعلیم یافتہ بہنوں کے تعلقات غیر مسلم خواتین سے ضرور ہوں گے۔ کوئی تو ان کی سہیلی ہوگی۔ کوئی ساتھ پڑھی ہوگی۔ یہ تعلقات تقاضا کرتے ہیں کہ ان بہنوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کی جائے۔ ان سے سچی ہمدردی اور سہیلا یہی ہے۔ اگر ہماری بہنیں اور مائیں یہ فرض ادا نہیں کریں گی تو میدانِ حشر میں اللہ ان سے باز پرس (پوچھ گچھ) کرے گا کہ جو نعمت تم کو ملی ہوئی تھی، اس نعمت سے اپنی سکھیوں اور سہیلیوں کو کیوں محروم رکھا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس وقت ہماری بہنوں اور ماؤں کے پاس کیا جواب ہوگا۔ امید ہے کہ یہ اشارہ کافی ہوگا۔ اور ہماری بہنیں اور مائیں ان پاکیزہ نمونوں کو سامنے رکھ کر فوراً ہی اسلام پھیلانے میں لگ جائیں گی۔ خدا ان کی مدد فرمائے گا۔ آمین۔

رسولؐ سے محبت

محبت ایسی چیز ہے جو سکھ دکھ اور رنج وغم کے فرق کو مٹا دیتی ہے۔ یہ محبت دنیا داری کی بھی ہوتی ہے اور دین داری کی بھی۔ جب انسان کو دنیا کی محبت ہو جاتی ہے تو وہ تن من دھن سے اسے حاصل کرنے میں لگ جاتا ہے۔ لیکن اس میں ایک عیب یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل سے حرام وحلال کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ وہ اس بری طرح دنیا کمانے میں لگ جاتا ہے کہ اپنے سکھ دکھ کے ساتھ دوسروں کے سکھ دکھ کی بھی پروا نہیں کرتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کے لیے عذاب بن جاتا ہے۔

دین داری یعنی خدا اور رسول کی محبت کا اثر انسان پر بہت اچھا پڑتا ہے۔ خدا اور رسولؐ سے محبت کرنے والے چاہے اپنے دُکھ سکھ کا خیال نہ رکھیں لیکن وہ اللہ کے دوسرے بندوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ وہ حرام وحلال کے فرق کو سامنے رکھتے ہیں۔ خود ایثار وقربانی سے کام لیتے ہیں، دوسروں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو بھول جاتے ہیں۔ اور خدا اور اس کے رسول کا نام بلند کرنے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم رسولؐ کے ذریعہ ان تک پہنچے ہیں۔ ان کے مطابق زندگی بسر کرنا ان کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ خدا خوش ہو جائے۔ چونکہ اللہ کے احکام رسولؐ کے ذریعے ملتے ہیں اور ان احکام پر چلنے کا طریقہ رسولؐ ہی بتاتا ہے۔ اس لیے رسول سے محبت دراصل خدا سے ہی محبت ہے۔ اس کے نمونے جہاں بے شمار مردوں میں دیکھے گئے ہیں، وہیں خواتین میں بھی بہت نظر آتے ہیں۔ یہ مضمون بہت پھیلاؤ چاہتا ہے۔ لیکن ہم اسے کم لفظوں میں گھیرنے کی کوشش کریں گے اور اس سے متعلق پاکیزہ خواتین کے دو دو ایک

ایک نمونے ہی لائیں گے۔ ہماری مائیں اور بہنیں مشتے نمونہ از خروارے (یعنی اناج کے ڈھیر سے مٹھی بھر دانے ہی پرکھے جاتے ہیں اور وہ پورے ڈھیر کے لیے نمونہ ہوتے ہیں) کے طور پر ان سے سبق حاصل کرلیں۔ واضح رہے کہ محبت انسان کے دل میں ہوتی ہے جسے انسان دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن جب اس محبت کا اظہار ان باتوں اور کاموں سے ہونے لگتا ہے تو دیکھنے والے سمجھ جاتے ہیں کہ اس شخص کو فلاں سے محبت ہے۔ یہ باتیں اور کام محبت کے تقاضے کہلاتے ہیں۔ یعنی محبت کیا چاہتی ہے۔ محبت کرنے والے کی زبان، اس کے ہاتھ پیر اور اس کی حرکتیں اس سوال کا جواب دیتی ہیں۔

ا - اعلانِ محبت

محبت میں سب سے پہلا نمبر زبان سے اعلان کرنا ہے۔ ایک بار ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! یہ جو شخص جا رہا ہے، میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''جاؤ اسے بھی بتادو۔''

اس کے معنی یہ ہوئے کہ جس سے محبت کی جائے اسے بھی معلوم ہوجانا چاہیے کہ کون مجھ سے محبت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی شخص کو خدا اور رسولؐ سے محبت ہوجاتی ہے تو وہ زبان سے اقرار اور اعلان کرتا ہے۔ اور بلند آواز سے گواہی دیتا ہے کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔

یہ کلمہ سچ مچ اس محبت کا اعلان کرتا ہے۔ اس اعلان کے بغیر محبت مقبول نہیں۔ چاہے دل مسلمان ہوچکا ہو۔ اس اعلان کے بعد محبت کے تقاضے شروع ہوتے ہیں۔ ایک شاعر نے کتنی سچی بات کہی ہے ؎

جب سے اعلان محبت کا کیا ہے میں نے
مجھ سے ہر ایک محبت کی نشانی مانگے

مطلب یہ ہے کہ جب تم زبان سے محبت محبت رٹتے ہو تو تمھاری باتوں اور کاموں سے اس کا ثبوت ملنا چاہیے۔

نبی ﷺ کے زمانہ میں پاکیزہ خواتین نے ایسی حالت میں آپ سے محبت کا اعلان کیا

جب یہ اعلان کرنے والے کی زبان کاٹ لی جاتی تھی۔ مشہور صحابی حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ نے حضورؐ کی محبت کا اعلان کیا تو ابوجہل نے پہلے انھیں لوہے کی زرہیں پہنائیں اور عرب کی جلتی ریت میں دوپہر کے وقت کھڑا کر دیا۔ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اعلان کرتی رہیں تو لٹا دیا اور پھر بھی وہ باز نہ آئیں تو ابوجہل نے جھنجھلا کر ان کی ناف کے نیچے اس زور سے برچھی ماری کہ اس سے حضرت سمیہؓ کی موت واقع ہوگئی۔ حضرت سمیہؓ ابوجہل کے خاندان کی لونڈی تھیں۔

اس طرح جب حضرت عمرؓ نے (جب مسلمان نہیں ہوئے تھے) اپنی بہن کے بارے میں سنا تو وہ ان کے گھر گئے۔ پوچھا۔ تم لوگ محمدؐ پر ایمان لائے ہو۔ جواب دیا۔ ''ہاں۔'' بس بھائی نے بہن کو اتنا مارا کہ انھیں لہولہان کر دیا۔ جب یہ سزا حد سے زیادہ ہونے لگی تو عمر کی بہن فاطمہ نے بھائی سے کہا۔ ''عمر! یہ محبت رگ رگ میں پیوست ہوگئی ہے۔ اب نہیں نکلتی۔ تمھارا جو بس چلے کر لو۔''

تاریخ کا یہ بھی ایک عجیب وغریب واقعہ ہے کہ ابوجہل جب حضرت سمیہؓ سے ہارا تو اس نے محبت کرنے والی کی جان لے لی۔ اور حضرت عمرؓ جب اس میدان میں بہن سے ہارے تو خود اللہ اور رسول کی محبت کا اعلان کر دیا۔ قسمت اسی کو کہتے ہیں۔ محبت کا اعلان کرنے والے جس زمین پر چلتے پھرتے ہیں اسی زمین پر کیسے کیسے آسمان ملتے ہیں۔ وہ اس کا راستہ روکتے ہیں۔ لیکن محبت کا وفادار کہتا ہے ؂

وفا کی راہ یوں طے کی ہے میں نے
کہ میرے آگے آگے آسماں تھے

یہی حضرت عمرؓ جب ایمان نہیں لائے تھے۔ تو ان کے خاندان کی ایک لونڈی حضرت لبینہؓ نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کا اعلان کیا۔ حضرت عمرؓ انھیں اتنا مارتے تھے کہ تھک جاتے تھے۔ تھک کر کہتے ''اچھا ذرا سستا لوں، پھر ماروں گا۔'' اسی طرح ایک دوسری لونڈی حضرت زنیرہؓ کو اس ''جرمِ محبت'' میں ناقابلِ برداشت تکلیفیں دیتے تھے۔

محبت کے واقعات بہت یاد آتے چلے جا رہے ہیں۔ اور موضوع ایسا ہے کہ لکھتے لکھتے قلم کہیں سے کہیں جا پڑتا ہے۔ میں مختصر لفظوں میں گھیرتا ہوں اور وہ ہے کہ پھیلنے کی کوشش کرتا ہے۔ بہر حال پھر آتا ہوں اپنے موضوع پر۔

تاریخ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ اللہ اور رسولؐ سے محبت کا اعلان کرنے والوں کو مکے کے سرداروں نے جب ناقابلِ برداشت تکلیفیں دینا شروع کر دیں تو حضورؐ نے ان محبت کرنے والوں سے فرمایا کہ تم لوگ حبش چلے جاؤ۔ اس فرمانے پر جہاں بہت سے مسلمان مرد حبش چلے گئے وہیں بہت سی خواتین بھی چلی گئیں۔ ماں باپ کو چھوڑا، گھر اور بستی کو چھوڑا، عیش و آرام کو چھوڑا۔ مگر رسولؐ کی محبت کو سینے سے لگائے انجان دیش کی طرف چل دیے۔ واقعہ یہ ہے کہ ؎

ہزار طرح وہی آزمائے جاتے ہیں
نشان جن میں محبت کے پائے جاتے ہیں

حبش جا کر حضرت ام حبیبہؓ کا شوہر مرتد ہو گیا تو حضرت ام حبیبہؓ نے اسے ٹھکرا دیا۔ دنیا جانتی ہے کہ بیوی کا سہارا دنیا میں شوہر سے بڑھ کر دوسرا نہیں۔ ایسی حالت میں ام حبیبہؓ کی یہ جرأت اس اعلان محبت کا بڑا نشان ہے جو انھوں نے مکہ معظّمہ میں کیا تھا۔

اب یہ ان کی قسمت ہے کہ محبوب کو معلوم ہوا تو اس نے محبت کا جواب اس طرح دیا کہ مدینے سے نکاح کا پیغام بھیجا اور ام حبیبہؓ زمین سے آسمان پر پہنچ گئیں۔ اب تک وہ ایک مومنہ تھیں۔ محبت نے انھیں سارے جہانوں کے مسلمانوں کی ماں (ام المومنین) بنا دیا۔

ہم نے محبت کی نشانی کے ثبوت ہی کو چھیڑا تھا۔ وہ آپ سے آپ بڑھتا جا رہا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اسے گھیرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ لہٰذا ام المومنین حضرت عائشہؓ کی ایک شہادت پر اسے ختم کرتے ہیں۔ اور محبت کی دوسری نشانی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

''ہم کو کسی ایسی عورت کا حال معلوم نہیں جو ایمان لا کر پھر مرتد ہوئی ہو۔''

۲۔ محبوب کے سوا سب کچھ بھول جانا

کتابوں میں ملتا ہے ایک صاحب نے حضورؐ سے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہؐ! مجھے آپ سے محبت ہے۔'' پوچھا گیا۔ ''کتنی ہے۔'' عرض کیا۔ ''جان و مال سب آپ پر قربان۔'' فرمایا۔ ''اور اولاد؟'' ان صاحب نے لمحہ بھر رک کر عرض کیا۔ ''اولاد بھی قربان۔'' فرمایا۔ ''اور خود؟'' اب وہ صاحب کچھ لمحے رُکے، پھر عرض کیا۔ ''اِس وقت سے پہلے یہ مقام حاصل نہیں ہوا تھا۔

لیکن اب میں اپنے آپ سے بھی زیادہ آپ سے محبت کرتا ہوں۔'' فرمایا۔'' اب تمھاری محبت کامل ہوگئی۔''

آیئے، اس کامل محبت کو پاکیزہ خواتین میں دیکھیے۔ حقیقت یہ ہے ہر وہ خاتون جس نے حضورؐ کی محبت کا اعلان کیا تھا۔ وہ اس محبت میں پوری اتری تھی۔ حضرت اُم عمارہؓ کی محبت اور جانبازی کے واقعات اور دوسری پاکیزہ خواتین کی قربانیوں کا ذکر ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ صرف ایک یہ نمونہ اس جگہ کے لیے محفوظ کر لیا تھا۔

واقعہ یوں ہے کہ جنگ اُحد میں جب اسلامی لشکر میں افراتفری پھیلی۔ حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے۔ مصعب بن عمیرؓ جن کے ہاتھ میں اسلامی جھنڈا تھا۔ وہ شہید ہوئے۔ اور پھر حضورؐ زخمی ہو کر ایک گڑھے میں جا گرے تو دشمن نے مشہور کر دیا کہ محمد (ﷺ) کو ہم نے قتل کر دیا۔

یہ خبر شدہ شدہ مدینے میں پہنچی۔ ایک صحابیہ یہ سن کر اپنے کو بھول گئیں۔ رسولؐ کی محبت میں میدان جنگ کی طرف دوڑ پڑیں۔ راستے میں کسی نے کہا۔'' تمھارا شوہر شہید ہو گیا۔ صحابیہؓ نے پوچھا۔'' پیارے رسولؐ زندہ ہیں؟'' آگے بڑھیں تو پھر کسی نے بتایا۔'' تمھارا بھائی شہید ہو گیا۔'' صحابیہؓ نے پوچھا۔'' یہ بتاؤ پیارے رسول زندہ ہیں؟ پھر آگے بڑھیں کسی نے بتایا، '' تمھارے بیٹے شہید ہو گئے۔'' پوچھا۔'' میرے رسولؐ کی خیریت بتاؤ۔''

یہ سنتے اور کہتے ہوئے وہ صحابیہؓ حضورؐ تک پہنچیں۔ آپؐ کو زندہ وسلامت دیکھا۔ اللہ کا شکریہ ادا کیا۔ یہاں بتایا گیا کہ تمھارا پورا خاندان شہید ہو گیا۔ جواب دیا۔'' محبوب تو زندہ ہے۔ تو پھر مجھے کسی اور کا غم نہیں۔''

اسے کہتے ہیں محبت میں اپنے کو بھول جانا۔ سب کچھ بھول جانا۔ سب کچھ بھول جانا اور صرف محبوب کو یاد رکھنا۔

۳۔ محبوب کے گن گانا

محبوب جب دل و دماغ اور رگ رگ میں رچ بس جاتا ہے۔ تو محبت کرنے والے کو وہی وہ یاد رہتا ہے۔ اور وہ ہر وقت اس کے گن گاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے محبت کرنے والیوں کا

بھی یہی حال ہوتا ہے۔ چنانچہ صحابیات یعنی پاکیزہ خواتین کے پاکیزہ نمونوں میں بہت سے نمونے ہمارے سامنے ہیں۔ ان میں سے کچھ پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت عدی بن حاتم طائی کی بہن حضورؐ سے ملیں۔ مسلمان ہوکر جب اپنے خاندان میں گئیں تو زبان پر حضورؐ ہی کی باتیں تھیں۔ انھوں نے بھائی سے آپؐ کی تعریف کی۔ آخر میں کہا۔ ''عدی! محمد ﷺ سچ مچ اللہ کے رسول ہیں۔ تم سے جتنی جلد ہوسکے مدینہ پہنچو اور اسلام قبول کرلو۔

ام سلمہؓ اپنے شوہر ابوسلمہؓ کے ساتھ ہجرت کی غرض سے مکہ سے مدینہ کو روانہ ہوئیں۔ ان کے خاندان والوں نے ابوسلمہؓ سے ان کو چھین لیا۔ سال بھر کے بعد انھیں مدینہ جانے کی اجازت ملی۔ تو زبان پر یہ اشعار رواں ہوگئے:

''اے اونٹنی! تجھے اس خدا کی قسم ہے جس نے محمدؐ کو رسولؐ بنا کر بھیجا۔ کیا آج تو یہ احسان کرے گی۔ جلد تر مجھے اس شہر میں پہنچادے جہاں ابوسلمہؓ اس محبوب کے پاس بیٹھے ہیں۔ جو میرا بھی محبوب ہے اور ہم میں کوئی کسی کا رقیب نہیں۔ (میں نے لفظ ''رقیب'' کا استعمال اتنا خوب صورت کسی شعر میں نہیں پایا۔ م۔خ)

ہواؤ! تم اس رُخ پر چلو جو رسولؐ کے شہر کا رُخ ہے۔

نوٹ: واضح رہے کہ ام سلمہؓ کسی دلیل (رہنما) کے بغیر مدینے کی طرف روانہ ہوگئی تھیں۔ محبت کا یہ بھی ایک عجیب وغریب کرشمہ ہے کہ اونٹنی خود بخود مدینے کے رُخ پر جارہی تھی۔ اور وہ مدینے میں پہنچ گئیں۔

اسی مدینے میں جب حضورؐ مکے سے ہجرت فرما کر تشریف لائے تو عورتیں تو عورتیں، چھوٹی چھوٹی بچیاں حضورؐ کا استقبال کرنے کے لیے امنڈ آئیں۔ ان کی زبانوں پر حضورؐ کا نام تھا۔ وہ دف بجا بجا کر یہ گیت گا رہی تھیں ؎

ہم خاندان بنو نجار کی لڑکیاں ہیں ——— محمدؐ کتنے اچھے ہمسایہ (پڑوسی) ہیں

اور پردہ نشین خاتون یہ اشعار پڑھ رہی تھیں۔

''جنوب کی گھاٹیوں سے ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا ہے۔''

(واضح رہے کہ مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ کے جنوب میں ہے۔ چودھویں رات کے چاند سے مراد نبی ﷺ ہیں)

''ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔ جب تک دعا کرنے والے دعا کریں۔

(یہ اشارہ حضورؐ کی آمد کی طرف ہے)

ایک خوشی کے موقع پر مدینہ کی خواتین حضورؐ کے گھر میں جمع تھیں اور ادھر ادھر کی باتوں کے بدلے وہ حضورؐ کی تعریف میں گیت گا رہی تھیں۔ یہ گیت بدر کی لڑائی کے بارے میں تھے۔ گیتوں کا ایک بول یہ بھی تھا۔

''ہم میں ایک رسولؐ ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔''

یہ سن کر حضورؐ نے عورتوں کو یہ مصرع گانے سے روک دیا۔ فرمایا: ''وہی گاؤ جو پہلے گا رہی تھیں۔''

حضرت ام عطیہؓ جب آپؐ کا ذکر کرتیں تو کہتیں۔ ''میں آپؐ پر قربان۔''

جب آپؐ کسی غزوہ (لڑائی) پر تشریف لے جاتے تو عورتیں اجتماعی اور انفرادی طور پر آپ کی سلامتی اور واپسی کے لیے نذریں مانتی تھیں۔ ایک بار حضورؐ ایک غزوہ سے واپس آئے تو ایک صحابیہ نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! میں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر آپ زندہ و سلامت واپس آئے تو آپؐ کے خدا کی حمد گاؤں گی۔''

چنانچہ انھوں نے خدا کی حمد میں گیت گائے۔ حضورؐ نے سماعت فرمایا۔ گیت میں نعت کا یہ حصہ بھی تھا کہ اس خدا کا شکر ہم پر واجب ہے کہ اس نے ہمیں محمدؐ نام کا رسول عطا فرمایا۔

خواتین نعت کے بول اپنے بچوں کو یاد کرا دیتی تھیں۔ اور کہتی تھیں۔ ''جاؤ گلی میں کھیلو اور بلند آواز سے یہ بول گاؤ۔''

۴۔ نفس کا اختیار دے دینا

یہ محبت کی اعلیٰ درجے کی نشانی ہے کہ اپنے نفس کا اختیار محبوب کو دے دیا جائے۔ اپنے کو اس کے سپرد کر دیا جائے کہ وہ جو چاہے میرے بارے میں کرے۔ اس نشانی کی بہت مثالیں ہیں۔ بہت سی عورتوں اور لڑکیوں نے اپنے نفس کا اختیار حضورؐ کو دے دیا تھا کہ آپؐ جس سے چاہیں ان کی شادی کر دیں۔ صرف دو تین مثالیں ملاحظہ ہوں۔

حضرت سعد سلیمیؓ ایک نوجوان مسلمان ہوئے۔ شکل و صورت کے خوب صورت نہیں

بلکہ اس کے برعکس تھے۔ ایسے کہ کوئی لڑکی ان کو پسند نہیں کرتی تھی۔ انھوں نے یہ بات حضورؐ سے کہی۔ آپؐ نے فرمایا۔ ”انصار قبیلے کے فلاں سردار کی لڑکی کا پیغام لے جاؤ۔ سعد سلمیؓ گئے اور انصاری سردار کو پیغام دیا تو سردار نے دھتکار دیا۔ یہ سب لڑکی دیکھ اور سن رہی تھی۔ اس نے باپ سے کہا۔ ”ابا جان اس پیغام میں اللہ کے رسولؐ کی سفارش ہے۔ میں نے قبول کرلیا۔“

یہ سن کر انصاری سردار نے سعدؓ کو بلایا اور نکاح کر دیا۔

فاطمہ بنت قیسؓ مشہور صحابیہ ہیں۔ رئیس خاندان کی اور خود نہایت حسین و جمیل۔ مشہور صحابی عبدالرحمٰن بن عوفؓ جو نہایت دولت مند تھے، ان سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات فاطمہ بنت قیسؓ کو معلوم تھی۔ آپ نے اسامہ بن زیدؓ کے لیے پیغام دیا تو فاطمہ نے فوراً منظور کرلیا۔

بس ایک اور لیکن نہایت دل چسپ واقعہ سن لیجیے۔ ایک صحابی تھے۔ ظریف الطبع۔ ایسے ظریف کہ بعض اوقات ان کی ظرافت مسخرا پن بن جاتی تھی۔ اس لیے صحابہ کرامؓ ان کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان سے دور رہنا پسند کرتے تھے۔ ایک بار انھوں نے غضب ہی کر دیا۔ کچھ صحابہؓ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ دوسری طرف سے ایک قافلہ آ رہا تھا۔ یہ چپکے سے سردارِ قافلہ سے جا کر ملے۔ اور کہا۔ میرے پاس اتنے غلام ہیں۔ انھیں اتنے میں فروخت کرتا ہوں (یعنی سستے داموں) تم خریدتے ہو۔ سردار نے خرید لیا۔ یہ بات صحابہؓ کو معلوم ہوئی، ان کو ڈانٹا گیا۔ لیکن وہ ہنسی کے مارے دہرے ہوئے جا رہے تھے۔ یہ مسخرا پن سردار قافلہ کو معلوم ہوا۔ اس نے قیمت واپس لے لی۔ حضورؐ نے سنا۔ آپؐ نے کچھ نہیں فرمایا۔

انھی صاحب کے بارے میں حضورؐ نے پیام نکاح ایک انصاری لڑکی کے والد کو دیا۔ انصاری صاحب نے عرض کیا کہ لڑکی کی والدہ سے پوچھ لوں۔ ماں سے پوچھا گیا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ لیکن جب لڑکی کو معلوم ہوا تو اس نے جو کچھ کہا۔ وہ سننے اور یاد رکھنے کے لائق ہے۔ اس نے کہا۔ ”اے ماں باپ! اللہ کے رسولؐ کا پیام واپس نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے حضورؐ کے حوالے کر دو، اللہ تعالیٰ ہرگز مجھے ضائع نہ کرے گا۔“

۵۔ فرماں برداری

محبت کا ایک اعلیٰ درجہ کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب جو کہے اس پر بے چوں چرا عمل کیا جائے۔ پاکیزہ خواتین نے اس تقاضے کو بھی پوری طرح ادا کیا۔ اس ضمن میں ہزاروں واقعات

ملتے ہیں۔ لیکن ہم سے وہ باتیں سنیے جن پر آج عمل نہیں ہوتا۔ یا ان باتوں کے وقت آج ہم اپنے قابو میں نہیں رہتے۔

شادی اور غمی کے موقعوں پر بڑے بڑے دین داروں کو دیکھا جاتا ہے جو منبر پر ان موقعوں کی رسموں کے خلاف وعظ فرماتے رہتے ہیں۔ لیکن جب ان کے گھروں میں شادی اور غمی کی تقریبیں ہوتی ہیں تو وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ اور وہ سب کچھ ان کے گھروں میں بھی ہوتا ہے جو جاہلوں کے یہاں ہوتا ہے۔ اس وقت اللہ یاد رہتا ہے نہ رسولؐ کی فرماں برداری۔ قال اللہ اور قال الرسول سب پیٹھ پیچھے ڈال دیا جاتا ہے۔ لیکن ذرا ان نمونوں کو دیکھیے۔

آپؐ نے شوہر کی وفات پر عدّت کا وقت مقرر فرمایا ہے۔ شوہر کے علاوہ گھر کے دوسرے افراد کی موت پر تین دن غم منانے کو فرمایا ہے۔ پاکیزہ خواتین نے اس پر سختی سے عمل کیا۔

—— حضرت زینب بنت جحشؓ کے بھائی اللہ کو پیارے ہوئے تو تین دن کے بعد چوتھے دن ہی کچھ عورتیں ملنے آئیں۔ تو ان کے سامنے خوش بو لگائی اور فرمایا کہ اس وقت مجھے خوش بو لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن میں نے پیارے رسولؐ سے سنا ہے کہ کسی مسلمان عورت کو شوہر کے غم کے علاوہ جائز نہیں ہے کہ تین دن سے زیادہ اس کا سوگ منائے۔ اس لیے میں اس حکم کو اس وقت عمل میں لا رہی ہوں۔

—— حضرت ام حبیبہؓ کے والد کا انتقال ہوا تو انھوں نے تین دن کے بعد تیل لگایا۔ خوش بو لگائی۔ اور وہی حکم دوسری عورتوں کے سامنے بیان کیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن نبی ﷺ کے حکم کو پورا کر رہی ہوں۔

حضرت عائشہؓ مدینے کے ایک برے شخص کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں۔ سننے والیوں میں سے ایک خاتون نے بتایا۔ ''ام المومنین! آج وہ شخص مر گیا۔ بس عائشہ صدیقہؓ نے فوراً زبان روک لی۔ اور اس کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ اس خاتون نے پھر عرض کیا۔ ''ابھی تو آپ اس کے لیے یہ اور یہ فرما رہی تھیں۔ فرمایا۔ ''میرے محبوبؐ نے مجھے یہی تعلیم دی ہے۔''

—— ایک بار آپؐ مسجد سے نکل رہے تھے۔ دیکھا کہ عورتیں مردوں کے مجمع میں گڈ مڈ چل رہی ہیں۔ فرمایا: ''تم پیچھے چلو۔ اور مردوں میں گڈ مڈ نہ ہو۔'' یہ سنتے ہی عورتیں مردوں سے الگ چلنے لگیں۔ یہاں تک کہ ان کے کپڑے دیواروں سے چھوتے تھے اور اس پر عمل کیا۔

——— ایک بار آپؐ تقریر فرما رہے تھے۔ مجمع زیادہ تھا۔ لوگ بیٹھنے والوں کے پیچھے کھڑے تھے۔ کچھ لوگ اور بھی آ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا۔ ''بیٹھ جاؤ'' کچھ مرد اور عورتیں آ رہی تھیں۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔ وہ سنتے ہی وہیں راستے میں بیٹھ گئے اور عورتیں بھی بیٹھ گئیں۔ (سبحان اللہ)

حضرت عمرؓ کی غیرت مشہور ہے۔ وہ اس معاملے میں بڑے سخت تھے۔ لیکن حضورؐ کی طرف سے اجازت تھی۔ (حکم نہیں تھا) کہ عورتیں نماز باجماعت میں شریک ہوسکتی ہیں۔ تو حضرت عمرؓ کی بیوی جماعت سے نماز پڑھنے جایا کرتی تھیں۔ کچھ لوگوں نے انھیں حضرت عمرؓ کی غیرت کی طرف توجہ دلائی تو بولیں'' تو پھر وہ مجھے روک کیوں نہیں دیتے۔''

—— شادی کی تقریبات میں ان رسموں اور جہیزوں وغیرہ کا کہیں ذکر ہمیں نہیں ملا۔ جو آج رائج ہیں۔ اس لیے ہم کیا کہیں؟

نوٹ: محبت کے تقاضوں میں محبوب کا ادب کرنا، محبوب کی خدمت کرنا۔ محبوب کی یادگار برقرار رکھنا۔ محبوب کی خدمت میں حاضری دینا وغیرہ۔ بہت سی باتیں شامل ہیں۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو ہر شخص جانتا ہی ہے۔ پاکیزہ خواتین ان باتوں میں بھی پیش پیش تھیں ہم ان عنوانات کو چھوڑتے ہیں۔ ہاں اتنا ضرور عرض کرتے ہیں کہ محبوب عالم ﷺ کی سب سے بڑی یادگار آپ کا دین ہے۔ صحابہؓ اور صحابیاتؓ نے اس دین کی حفاظت کے لیے جان، مال، اولاد، یعنی اپنا سب کچھ قربان کر رکھا تھا۔ جہاں جس چیز کی ضرورت ہوتی تھی پیش کر دیتی تھیں۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ نے امداد طلب فرمائی۔ تو انھوں نے زیور اتار اتار کر پھینکنا شروع کر دیے۔ یہاں تک کہ جس کے پاس ایک چھلّہ تھا وہ بھی اس نے اتار کر دے دیا۔ فداکاری اور اولاد کو آپؐ پر قربان کرنے کے حالات اسی سلسلے میں پہلے بیان کیے جا چکے۔ ان کا دہرانا اب تکلف ہی تکلف ہوگا۔

قرآن پر عمل

ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن اگر یاد بھی کیا جاتا ہے تو اس لیے کہ نمازوں میں اس کی آیتیں پڑھ سکیں۔ ان آیتوں کے معنی و مطلب سمجھنا اور ان پر عمل کرنا ہم میں سے بہت ہی کم لوگوں کا منشا ہوتا ہے۔ حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ یہ کام تھا کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ آپؐ پر نازل ہو۔ وہ آپ دوسروں کو سنا دیں، سمجھا دیں اور عمل کر کے بتا اور سکھا دیں۔

قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ جس طرح صحابہؓ میں تھا اسی طرح صحابیاتؓ کے اندر بھی تھا۔ اس معاملے میں حضرت عائشہؓ کا یہ عالم تھا کہ جو آیت نازل ہوتی اسے حضورؐ سے اچھی طرح سمجھ لیتیں اور پھر قرآن کے مطابق عمل شروع کر دیتیں۔ مثال کے طور پر صرف ایک بات پیش کی جاتی ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ:

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ لا (النسآء:۱۲۳)

(یعنی جو بھی کوئی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا) تو حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ یہ آیت تو بڑی سخت ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی کہ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ O (الزلزال:۸) (یعنی اللہ تعالیٰ ذرا ذرا سی برائی کا بھی حساب لے گا)۔

حضورؐ نے سمجھایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا بندہ جو کچھ کرے گا وہ سب اللہ کے حضور پیش ہوگا۔ لیکن عذاب میں وہ پھنسے گا جس کے حساب میں جرح شروع ہوگئی۔

یہ بات جب مردوں اور عورتوں نے سنی تو یہ حال تھا کہ ہر وقت یہ خیال بنا رہتا کہ ہمارا

کوئی کام اور ہماری کوئی بات قرآن کے خلاف نہ ہو۔ سماج میں جو رسمیں برتی جاتی تھیں۔ ان کے خلاف اللہ کی طرف سے حکم آیا تو پھر وہ رسم کتنی ہی پسند کیوں نہ ہو فوراً چھوڑ دی جاتی تھی۔

منہ بولے بیٹے کی رسم عرب میں ایسی تھی کہ جو شخص کسی کو اپنا بیٹا بنا لیتا تو اسے اصلی بیٹا سمجھا جانے لگتا تھا۔ لیکن جب قرآن کی وہ آیت اتری کہ ''ان کو ان کے سگے باپوں کا بیٹا کہہ کر پکارو۔'' اللہ تعالیٰ نے متبنّٰی یعنی لے پالک کی رسم کو توڑ دیا تو مسلمانوں نے منہ بولے بیٹے کو اصل بیٹا سمجھنا چھوڑ دیا۔ اور اس پر سختی سے عمل کیا۔ بہت سی مثالیں ہیں صرف ایک مثال سنیے:

حضرت ابوحذیفہؓ نے حضرت سالمؓ کو منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ ان کے گھر میں حضرت سالمؓ کو اصل بیٹے کا مقام حاصل تھا۔ حضرت ابوحذیفہؓ کی اہلیہ محترمہ اصلی ماں کے برابر تھیں۔ ظاہر ہے کہ ماں سے پردہ کیسا؟ لیکن جب لے پالک کی رسم توڑ دی گئی تو حضرت ابوحذیفہؓ کی اہلیہ محترمہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو دودھ پلا دو وہ تمھارے رضاعی بیٹے (دودھ پیتے) ہو جائیں گے۔ اور پھر ان سے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

پردے کا حکم آنے سے پہلے عورتیں یوں ہی سروں پر دوپٹہ ڈال لیا کرتی تھیں۔ لیکن نہ سر چھپتا تھا نہ سینہ۔ لیکن پردے کی آیتیں نازل ہوئیں کہ عورتوں کو چاہیے، اپنے دوپٹوں کو سینہ پر ڈال لیں تو انھیں عورتوں کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ سیاہ چادروں میں لپٹی ہوئی اس طرح نکلتی تھیں کہ حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سروں کے گھونسلے بن گئے۔

پھر جب یہ حکم آیا کہ عورتیں ایسے زیور نہ پہنیں جن کی جھنکار سے لوگ متوجہ ہو جائیں تو عورتوں نے لڑکیوں کے پیروں کے گھنگھرو بھی نکال پھینکے۔

ایک بار ایک لڑکی گھنگھرو پہنے ہوئے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آئی۔ گھنگھرو کی آواز سنی تو فرمایا ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس گھر میں ایسے زیوروں کی آوازیں آتی ہیں۔ اس گھر میں فرشتے نہیں آتے۔'' یہ معلوم ہونے کے بعد عورتوں نے بچوں کو گھنگھرو پہنانا چھوڑ دیے۔

ایسی باتیں یا چیزیں جن کے بارے میں شک رہتا ہے کہ حرام ہیں یا حلال۔ ان کے بارے میں قرآن میں صاف اور کھلا حکم نہیں ہے۔ لیکن جب نبی ﷺ نے تشریح فرمائی کہ گناہ

ایک چراگاہ ہے جو شخص چراگاہ کے آس پاس جائے گا تو ممکن ہے اس کے جانور اس چراگاہ میں منہ ڈال دیں۔ اچھا ہے کہ ایسی چراگاہوں کے پاس نہ جاؤ۔ جس بات میں شک ہوا سے چھوڑ کر اس بات کو اختیار کرو جس میں شک نہیں ہے۔

اس تشریح کے بعد صحابیاتؓ نے بڑی سختی سے اس پر عمل کیا۔ ایک صحابیہؓ نے ایک لونڈی کو ماں پر صدقے کر دیا، ماں کا انتقال ہو گیا تو صحابیہ کو شک ہو گیا کہ اب یہ لونڈی رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ وہ حضورؐ کے پاس گئیں اور فتویٰ پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ ''تم ماں کی وارث ہو، لونڈی جائز ہے اور تم کو ثواب بھی مل چکا۔''

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی ماں قتیلہ کافرہ تھیں۔ ان کو حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کا حکم آنے کے بعد طلاق دے دی تھی۔ وہ مکہ میں رہتی تھیں۔ ایک بار وہ بیٹی سے ملنے مدینہ آئیں اور بیٹی کے لیے تحفہ لائیں، حضرت اسماءؓ کو شک ہوا کہ یہ تحفے میرے لیے جائز ہیں یا نہیں۔ حضورؐ سے پوچھا۔ آپ نے تحفہ لینے کی اجازت دے دی۔

ہم لوگوں میں عادت ہے کہ بات بات پر قسمیں کھاتے ہیں۔ ان میں ایسی بھی ہوتی ہیں جن پر کفارہ لازم آتا ہے۔ لیکن ہم پروا نہیں کرتے۔ لیکن قسم کے کفارے کا حکم آنے کے بعد صحابیات اس کا بڑا خیال رکھتی تھیں۔ ایک بار حضرت عائشہؓ اپنے بھانجے عبد اللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہو گئیں۔ قسم کھالی کہ ان سے بات نہیں کریں گی۔ لیکن جب حضرت عبد اللہؓ نے معافی مانگی اور بڑے بڑے صحابہؓ نے سفارش کی تو معاف کر دیا لیکن قسم کے کفارے میں چالیس غلام آزاد کیے۔

اس جگہ یہ عرض کر دیا جائے تو زیادہ اچھا ہے کہ وہ کیوں خفا ہوئی تھیں۔ بات یہ تھی کہ حضرت عبد اللہؓ ان کو خرچ کے لیے کچھ رقم دیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ بڑی فیاض تھیں۔ وہ رقم آتے ہی خیرات کر دیا کرتی تھیں۔ اس پر حضرت عبد اللہؓ کی زبان سے ایک بار نکل گیا کہ کہاں تک دوں، بس خفگی کی وجہ یہ تھی۔

اچھی عادتیں

قرآن پر عمل کرنے سے پاکیزہ خواتین میں بڑی پاکیزہ عادتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ ان میں ایثار، قربانی، فیاضی، شرم و حیا، صداقت، خدمت خلق، صبر و توکل، پرہیزگاری اور ایسی ہی

دوسری تمام اچھی عادتیں پیدا ہوگئی تھیں۔ وہ اتنی غیرت دار ہوگئی تھیں کہ ماں باپ سے بھی کچھ مانگنے میں انھیں غیرت آتی تھی۔

حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ کے ساتھ بڑی غریبی کی زندگی بسر کرتی تھیں۔ چکی پیسنا، پانی بھرنا، گھر کے سارے کام کرنا، سب کچھ ان کو کرنا پڑتا تھا۔ ایک بار حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ حضورؐ کے پاس جاؤ اور ایک لونڈی کے لیے درخواست کرو۔ حضرت علیؓ کے کہنے سے حضرت فاطمہؓ حضورؐ کے پاس گئیں۔ لیکن غیرت کے مارے کچھ کہہ نہ سکیں اور خالی ہاتھ لوٹ آئیں۔

ایثار وقربانی

یعنی دوسروں کو فائدہ پہنچانا اور اپنی خواہش روک لینا۔ اچھی باتوں میں اس کا بہت بڑا مقام ہے۔ صحابیات (پاکیزہ خواتین) میں ایثار وقربانی کا جذبہ بہت تھا۔ اس سلسلے میں واقعات تو بہت ہیں۔ لیکن ہم اس کا ایک بہترین نمونہ پیش کرتے ہیں۔

جب حضورؐ کا انتقال ہوا تو آپؐ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں دفن ہوئے۔ پھر حضرت عائشہؓ کے والد بزرگوار حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوا تو وہ بھی اسی حجرے میں دفن ہوئے۔ اب صرف ایک قبر کی جگہ تھی، یہ حضرت عائشہؓ نے اپنے لیے رکھی تھی۔ خواہش یہ تھی کہ شوہر اور باپ کے پاس ہی قبر بنے۔

اب سنیے! حضرت عمرؓ جب زخمی ہوئے اور زندگی کی امید نہیں رہی تو حضرت عائشہؓ سے کہا کہ "میری خواہش ہے کہ میں اپنے دو پیاروں کے پاس دفن ہوں۔" اس مانگ کو سن کر حضرت عائشہؓ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "یہ جگہ تو میں نے اپنے لیے رکھی تھی مگر عمرؓ کی خواہش کو رد نہ کروں گی۔"

حضرت عمرؓ کی قبر بھی اسی حجرے میں بن گئی اور حضرت عائشہؓ دوسرے حجرے میں چلی گئیں۔ سبحان اللہ۔

حضرت فاطمہؓ کا مشہور واقعہ ہے۔ دو دن کا فاقہ تھا۔ حسن حسین بچے تھے، وہ بھی بھوکے تھے۔ دوسرے دن شام کو حضرت علیؓ محنت مزدوری کر کے کچھ اناج لائے۔ حضرت فاطمہؓ

نے پیسا اور روٹیاں پکائیں۔ پھر سب کو لے کر کھانا کھانے بیٹھیں۔ ابھی نوالہ توڑا ہی تھا کہ دروازے پر فقیر نے صدا لگائی۔ اللہ بھلا کرے حضرت فاطمہؓ نے کھانا فقیر کو دے دیا۔ اور خود شوہر اور بچوں کو پانی پلا کر سلا دیا۔

لکھتے لکھتے بہت سے واقعات یاد آتے جا رہے ہیں۔ ایک دن حضرت عائشہؓ کا روزہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس دن دس ہزار درہم بھیجے۔ عادت کے مطابق خیرات کرنے لگیں۔ جب آخری تھیلی بھی خیرات کردی تو لونڈی نے یاد دلایا۔

''آپ کا روزہ ہے اور آپ نے اپنے لیے کچھ نہیں رکھا۔'' فرمایا: ''پہلے کیوں یاد نہیں دلایا۔ اور دامن جھاڑ کر اٹھ گئیں۔''

ایک ادبی اور نہایت عبرت ناک واقعہ سن لیجیے۔ اس کے بعد دوسری باتیں عرض کروں گا۔ حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ جنگ احد میں شہید ہوئے۔ ان کی بہن حضرت صفیہؓ اُن کے لیے دو کفن لائیں۔ لاش کے پاس پہنچیں تو دیکھا کہ ایک انصاری بھی شہید پڑا ہے۔ اپنے بیٹے زبیرؓ سے کہا کہ بڑی چادر انصاری کو دیدو۔ اور چھوٹی میرے بھائی کو۔ اس چھوٹی چادر سے حضرت حمزہؓ کا سر چھپایا جاتا تو پیر کھل جاتے پیر چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا۔ سر چھپا دیا گیا اور پیروں کو گھاس سے ڈھک دیا گیا۔

اب ادبی بات سنیے۔ حضرت صفیہؓ نے بھائی کا مرثیہ کہا۔ ایک شعر میں فرماتی ہیں'' وہ (یعنی حضرت حمزہؓ) ایسا فیاض اور ایثار کرنے والا ہے کہ مرنے کے بعد بھی اپنے پڑوسی کو نہ بھولا۔'' (واضح رہے کہ یہ اشارہ انصاری کی طرف ہے)۔

عرب کے بڑے بڑے شعراء نے یہ شعر سنا تو اعتراف کیا کہ بخدا، فیاضی کے بارے میں اس سے اچھا شعر نہیں سنا۔

فیاضی کے دو دلچسپ واقعات

ایک بار حضرت منکدر بن عبداللہؓ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے، پوچھا، ''کیا منکدرؓ تمھارا کوئی بچہ ہے؟'' عرض کیا۔ ''ام المومنینؓ! میں خود بچہ ہوں؛ بولیں۔ ''میرے پاس دس ہزار

درہم ہوتے تو میں تم کو دیتی اور تم شادی کرتے۔ اتفاق کی بات۔ اسی شام دس ہزار درہم آ گئے۔ حضرت عائشہؓ نے منکدرؓ کو دیے۔ انھوں نے شادی کی اور بچے ہوئے۔

۲- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں ایک سے بڑھ کر ایک فیاض تھیں۔ لیکن ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ سب سے بازی لے گئیں۔ وہ اپنے ہاتھ سے چمڑا پکا کر صاف کرتی تھیں۔ اس سے جو مزدوری ملتی، سب غریبوں کو دے دیتیں۔ ایک بار تمام ام المومنینؓ حضورؐ کے پاس بیٹھی تھیں۔ آپ نے فرمایا: ''میرے مرنے کے بعد تم میں سے جس کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا ہوگا وہ مجھ سے سب سے پہلے ملے گی۔''

یہ سن کر سب ایک دوسرے سے ہاتھ ناپا کرتی تھیں۔ حضرت زینبؓ کے ہاتھ سب سے چھوٹے تھے۔ لیکن حضورؐ کے انتقال کے بعد جب سب سے پہلے حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو لوگوں نے سمجھا کہ لمبے ہاتھوں والی کے معنی فیاض کے ہیں۔

عفوودرگزر

عفوودرگزر، یعنی معاف کر دینا اور رنجش کو ختم کر دینا وہ خوبی ہے کہ بڑے مرتبے پر پہنچا دیتی ہے۔ اور یہ بات آسان بھی نہیں ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتیں ہوں یا مجبوری ہو تو بات کو ختم کر دیتے ہیں۔ لیکن عزت و آبرو اور اپنے کسی عزیز کے قتل کو ایسے ہی لوگ معاف کرتے ہیں، جن کو اللہ نے بڑا دل گردہ عنایت فرمایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں تو یہ صفت کامل درجے کی پائی جاتی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضورؐ سے جن بزرگوں نے اخلاق سیکھا۔ وہ بھی اس خوبی میں بہت آگے نظر آتے ہیں۔ ہم اس وقت دو واقعات ایسے سناتے ہیں جن کو معاف کر دینا انھی پاکیزہ خواتین کا حصہ تھا جن کو اللہ نے توفیق بخشی تھی۔

۱- حضرت عائشہؓ پر جو تہمت لگائی گئی تھی، جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے اور عام کتابوں میں بھی پورا واقعہ ملتا ہے، ایسے موقع پر ہر شخص جو اپنے برابر کے آدمی اور مدِ مقابل کو آسانی کے ساتھ ذلیل کر سکتا ہے، کرتا ہے لیکن ام المومنین حضرت زینبؓ کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حضرت عائشہؓ کی سوکن تھیں۔ اور حضرت عائشہؓ کے برابر ہی نہیں بلکہ رشتے کے اعتبار سے کچھ بڑھ کر تھیں۔ وہ حضورؐ کی بہن بھی لگتی تھیں۔ ان کو معلوم تھا کہ

نبی ﷺ حضرت عائشہؓ کو بہت چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے کے موقع پر وہ حضرت عائشہؓ کو ایک اشارے پر نیچا دکھا سکتی تھیں۔ لیکن جب ان سے پوچھا گیا تو اس طرح گواہی دی:

''میں اپنے کانوں اور آنکھوں کی پوری حفاظت کرتی ہوں یعنی میرے کان ٹھیک بات سنتے ہیں۔ اور میری آنکھیں غلط چیز نہیں دیکھتی ہیں۔''

اس گواہی کے بارے میں حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں کہ وہ اگرچہ میرے برابر کی اور میری حریف تھیں۔ لیکن ان کے تقویٰ نے انھیں بچا لیا۔

۲- دوسرا واقعہ خود حضرت عائشہؓ کے درگزر کا ہے۔ معاویہ بن خدیجؓ ایک فوجی افسر تھے۔ ایک بار انھوں نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابوبکرؓ کو قتل کر دیا۔ اس حادثے کا اثر ماں پر بھی تھا۔ اور حضرت عائشہؓ پر بھی۔ لیکن ایک جنگ سے حضرت معاویہ بن خدیجؓ واپس آئے تو حضرت عائشہؓ نے لوگوں سے پوچھا کہ تمھارے ساتھ معاویہ کا کیسا سلوک رہا۔ جواب ملا۔ سب لوگ ان کی تعریف کرتے ہوئے پائے گئے۔ ان میں کوئی عیب نظر نہ آیا۔ اگر کسی کا اونٹ ضائع ہو جاتا تو وہ اس کی جگہ دوسرا اونٹ دیدیتے تھے۔ اگر کسی کا غلام بھاگ جاتا تو دوسرا غلام دیدیتے تھے۔

یہ سنا تو حضرت عائشہؓ نے استغفر اللہ پڑھ کر فرمایا: ''میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص میری امت کے ساتھ نرمی اور محبت کا برتاؤ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ نرمی اور محبت کرو۔ اور جو شخص ایسے شخص پر سختی کرے تو اس کی حمایت میں اس شخص پر سختی کرو جو ایسے شخص پر سختی کرتا ہے۔ تو پھر میرے لیے ٹھیک نہیں کہ میں اپنے بھائی کے معاملے میں معاویہؓ سے بغض رکھوں۔''

دیکھا آپ نے ایسی تھیں ہماری بزرگ مائیں، اگر ہم ان کو اپنے لیے نمونہ بنائیں تو اللہ کی نظر میں ہم کتنا اونچا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔

مہمان کی خاطر

مہمانوں کا معاملہ ایسا ہوتا ہے جس کا تعلق زیادہ تر عورتوں ہی سے ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گھر والی مہمانوں کی وجہ سے گھبرا جاتی ہے لیکن صحابیات کے واقعات میں ہمیں

کوئی ایسی بات نہیں ملی۔ حضرت ام شریکؓ کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ انھوں نے گھر کو مہمان خانہ بنا رکھا تھا۔ حضورؐ کے پاس جو مہمان آتا۔ وہ زیادہ تر انھی کے ہاں ٹھہرتا۔

اس سلسلے میں نہایت دل چسپ اور نصیحتوں سے بھرا ہوا واقعہ حضرت ام سلیمؓ کا ہے۔ ایک بار حضورؐ کے پاس دو مہمان آئے۔ آپؐ نے اپنے گھر کہلا بھیجا۔ جواب آیا کہ برکت ہی برکت ہے۔ تو اپنے صحابہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''کون ان کو مہمان رکھے گا۔'' ام سلیمؓ کے شوہر حضرت ابوطلحہؓ نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہؐ میں۔''

حضرت ابوطلحہؓ دونوں کو گھر لے گئے۔ ام سلیمؓ سے کہا تو معلوم ہوا کہ صرف بچوں کا کھانا رکھا ہے۔ وہ کھانا مہمانوں کو اس طرح کھلایا گیا کہ چراغ بجھا دیا گیا۔ کھانا مہمانوں کے آگے رکھا گیا۔ حضرت ابوطلحہؓ بھی شریک ہوئے مگر ام سلیمؓ کی بتائی ہوئی ترکیب کام میں لاتے رہے یعنی ہاتھ کھانے تک لے جاتے۔ لیکن نوالہ نہ اٹھاتے۔ اور پھر منہ کے پاس لے جاتے۔ مہمان سمجھے کہ وہ بھی کھا رہے ہیں۔ اس طرح مہمانوں کو کھانا کھلا کر رخصت کیا۔ صبح کو حضورؐ کی خدمت میں گئے تو آپ نے فرمایا: ''ابوطلحہؓ! تمھارے گھر مہمانوں کو جس طرح رکھا گیا، اس کی خبر اللہ نے مجھے دی۔''

غیرت

غیرت اور خودداری کی صفت بھی بہت بڑی صفت ہے۔ لوگوں میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ جب جان پر بنتی ہے یا عزت پر حرف آتا ہے یا کوئی غرض سامنے آتی ہے، تو بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ لیکن پاکیزہ خواتین کے واقعات کے سلسلے میں دو ایک نمونے ملاحظہ ہوں:

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حجاج بن یوسف سے ایک جنگ لڑ رہے تھے۔ اس جنگ میں وہ شہید ہوئے۔ شہادت سے پہلے اپنی والدہ محترمہ حضرت اسماءؓ کے پاس گئے۔ اور جنگ کا نقشہ بتایا تو ماں نے فرمایا:

''بیٹا! اگر تو حق پر ہے تو تجھے زیب نہیں دیتا کہ اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچا لے اور کوئی ایسی شرط منظور کر لے جو غیرت کے خلاف ہو۔ خدا کی قسم حق کے لیے تلوار کھا کر مر جانا

اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے کوڑے عمر بھر برستے رہیں۔ اور اگر تو ناحق یہ جنگ لڑ رہا ہے تو تو نے اپنے کو بھی تباہ کیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی لے ڈوبا۔ جاہ شیر ہو کر لومڑی نہ بن۔''

ایک بار ایک صحابیہؓ (جو بوڑھی ہو چکی تھیں) حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے پاس اس زمانے میں گئیں جب وہ خلیفہ ہو چکے تھے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ میں بڑی کشمکش رہی تھی۔ جب یہ صحابیہؓ حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچیں بڑا بلیغ جملہ کہہ کر ان پر چوٹ کی۔ فرمایا۔ ''معاویہ! گائے کا دودھ گوالے لے گئے۔ بچھڑا بھوکا رہ گیا۔'' مطلب یہ تھا کہ تیری حکومت میں رعایا بھوکی ہے۔ اور تیرے رشتہ دار مزے کر رہے ہیں۔

حضرت معاویہؓ کے اندر بڑا صبر و استقلال تھا۔ انھوں نے اس چوٹ کو مسکرا کر برداشت کر لیا۔ بولے۔ ''آپ کو کیا غرض یہاں تک لائی ہے؟'' بولیں۔ ''اس لیے کہ تجھے خدا کے خوف سے ڈراؤں۔'' پھر پوچھا گیا۔ ''آپ کو کوئی ضرورت ہو تو فرمائیں۔'' فرمایا۔ ''تیرے پاس کیا ہے جو دے گا۔''

پھر پوچھا۔ ''علیؓ کے بارے میں کیا کہتی ہو؟'' بتایا۔ ''وہ اللہ کا ایک بندہ ہے۔ راتوں کو جاگنے والا اور دن میں جہاد کرنے والا۔ اللہ اور اللہ کا رسول اس سے محبت کرتا تھا۔ تجھے زیب نہیں دیتا کہ تو اس کی برابری کرے۔''

یہ کہہ کر دربارِ معاویہؓ سے چلی آئیں۔ حضرت معاویہؓ نے کہا۔ اس بوڑھی عورت میں اسلامی غیرت کس درجہ پائی جاتی ہے۔

حضرت ام سلمہؓ کے شوہر ابوسلمہؓ شہید ہوئے تو حضورؐ نے نکاح کا پیام دیا۔ ام سلمہؓ نے عرض کیا۔ ''یارسول اللہ! میرے اندر غیرت بہت ہے۔'' حضورؐ نے یقین دلایا کہ تمھاری غیرت کی حفاظت کی جائے گی۔'' اس یقین پر نکاح ہو گیا۔

بس اب دوسری خوبیاں ملاحظہ ہوں۔ ورنہ مضمون طویل ہوتا جا رہا ہے۔

صبر کی خوبی

لوگ صبر کے معنی غلط جانتے ہیں کہ مجبوری کا نام صبر ہے لیکن دراصل صبر کے معنی ہیں اپنے مقام پر مضبوطی سے جمے رہنا۔ اگر اللہ تعالیٰ آرام و آسائش عطا کرے تو عیش میں پڑ کر اپنے

اخلاق کو برقرار رکھے۔ خدا کو نہ بھولے، غرور نہ کرے، دوسروں پر ظلم نہ کرے۔ اور اگر سختی آپڑے تو ہائے واویلا نہ کرے، خدا کو یاد کرے۔ اپنے مقام سے نہ گرے۔ اس سلسلے میں کتابوں کے اندر لکھا ہے کہ جہاد میں صبر کی صفت کام دیتی ہے۔ یعنی ہار کے آثار ہوں تو بھی صبر کرے۔ یعنی جم کر دشمن کا مقابلہ کرے۔ ملاحظہ ہو۔

جنگ احد میں جب مسلمانوں میں افراتفری پھیلی تو حضورؐ اپنے مقام پر پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ کتابوں میں پایا جاتا ہے کہ اس جنگ میں حضورؐ نے ام عمارہؓ کے استقلال کی یوں تعریف فرمائی۔ ''وہ میرے آس پاس پروانے کی طرح پھر رہی تھیں۔ اور کافروں سے جنگ کر رہی تھیں۔''

انھی ام عمارہؓ کے فرزند زخمی ہو کر گرے تو بولیں۔ ''اٹھ! اور اپنی جگہ کھڑا ہو۔ اللہ کے رسولؐ کی حفاظت میں لڑ۔'' حضورؐ نے فرمایا: ''ام عمارہؓ! تیرا سا صبر اور تیری سی قوت دوسروں میں کہاں ہے۔''

محمد بن ابوبکرؓ کو ایک جنگ میں قتل کر دیا گیا۔ یہ بات ماں نے سنی تو کوئی بات بے صبری کی منہ سے نہیں نکالی۔ دشمن کو کوسا تک نہیں۔ نماز کی نیت کر کے کھڑی ہو گئیں۔

حضرت ابوطلحہؓ کا لڑکا مر گیا۔ وہ اس وقت گھر میں نہیں تھے۔ ام سلیمؓ نے بچے کو کفنا کر کوٹھری میں رکھ دیا۔ ابوطلحہؓ گھر آئے بچے کا حال پوچھا۔ کہا۔ ''آرام سے لیٹا ہے۔ پھر شوہر کو کھانا کھلایا۔ پھر بولیں۔ ''ابوطلحہؓ امانت کے بارے میں کیا خیال ہے۔ اگر امانت رکھنے والا اپنی چیز مانگے تو؟''

بولے۔ ''تو خوش دلی سے امانت واپس کر دینا چاہیے۔'' اب ام سلیمؓ نے کہا۔ اچھا تو تمھارا بچہ اللہ کی امانت تھا۔ اسے اللہ نے لے لیا۔

یہ سنا تو ابوطلحہؓ بولے۔ ''خدا کی قسم! اُم سلیم میں صبر میں تم سے پیچھے نہ رہوں گا میں راضی برضا ہوں۔''

صحابیات جو اسلام لانے کی وجہ سے ستائی اور شہید کی گئیں۔ ان میں صبر کی قوت ہی تھی جس نے ان کو بلند کیا۔ یہ واقعات ہم پچھلے صفحوں میں بیان کر چکے۔

جنگ اُحد میں اسلام کے مشہور سپاہی حضرت سید الشھد اء امیر حمزہؓ شہید ہو گئے۔ اور لوگ بھی شہید ہوئے۔ مدینے میں انصار خواتین اپنے مقتولوں پر نوحہ کر رہی تھیں۔ حضورؐ مدینے میں آئے تو بولے۔ آج حمزہؓ پر رونے والا کوئی نہیں۔ یہ سنتے ہی انصار خواتین نے اپنے مقتولوں پر صبر کیا۔ حمزہؓ پر نوحہ کرنے لگیں۔

حضورؐ نے فرمایا: سوگ تین دن کا ہے۔ نوحہ کرتے وقت ہائے واویلا کرنا اور بال اور منہ نوچنا ٹھیک نہیں۔ خواتین نے اس حکم پر پورا پورا عمل کیا۔

حضرت صفیہؓ حضورؐ کی پھوپھی نے بھائی (حضرت حمزہؓ) کی شہادت کی خبر سنی وہ دیکھنے چلیں، حضورؐ نے جاتے دیکھ لیا۔ ان کے بیٹے زبیرؓ سے کہا کہ مکے کی عورتوں نے حمزہؓ کی لاش کو بگاڑ دیا ہے (کان اور ناک کاٹ کر زیور بنایا ہے) ایسی حالت میں اپنی ماں کو روکو اور صبر کی نصیحت کرو۔ حضرت زبیرؓ ماں کے پاس گئے۔ اور رسول اللہؐ کا پیغام سنایا۔ بولیں۔ اللہ دیکھ لے گا۔ آج میں جیسا صبر کروں گی۔ یہ کہہ کر حضرت حمزہؓ کی لاش کے پاس پہنچیں۔ لاش کی حالت نہ دیکھی جاتی تھی۔ حضرت صفیہؓ نے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھی۔ اور دو کفن زبیرؓ کو دے کر واپس ہو گئیں۔

اسی جنگ میں حضرت حمنہ بنت جحشؓ (چچیری بہن) کو حضورؐ نے اس طرح مخاطب کیا۔ حمنہ! اپنے بھائی عبداللہ بن جحشؓ کو صبر کرو۔ وہ سمجھ گئیں کہ بھائی شہید ہو گیا۔ انھوں نے انا اللہ پڑھی۔ حضورؐ نے پھر فرمایا۔ ”حمنہ! اپنے ماموں حمزہؓ کو صبر کرو۔“ وہ سمجھ گئیں کہ حمزہؓ شہید ہو گئے۔ انھوں نے انا اللہ پڑھی۔ شہیدوں کے لیے دعائے مغفرت کی اور واپس ہو گئیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حجاج بن یوسف سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ حجاج نے ان کی لاش سولی پر لٹکوا دی۔ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ بیٹے کی لاش دیکھنے گئیں۔ معلوم ہوا کہ لاش اب تک سولی پر لٹکی ہے۔ حجاج سے بولیں۔ ”یہ سوار ابھی تک گھوڑے سے نہیں اترا۔“

حجاج عربی زبان کا بڑا فصیح و بلیغ آدمی تھا۔ اس نے حضرت اسماءؓ کی زبان سے یہ ادبی جملہ سنا تو اپنے ہونٹ چبا کر رہ گیا۔ حضرت اسماءؓ کے پاس آیا اور زبان لڑانے لگا۔ بولا۔ ”تمھارے بیٹے عبداللہؓ نے کعبے میں بیٹھ کر خونریزی کرائی، اس لیے اس پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔“ جواب

ملا۔ ''تو جھوٹا ہے میرا لڑکا نافرمان نہ تھا۔ وہ روزہ رکھنے والا، تہجد پڑھنے والا، پرہیزگار دین دار اور ماں باپ کا فرماں بردار تھا مگر تو اپنے بارے میں سن۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قبیلہ ثقیف میں دو نالائق آدمی پیدا ہوں گے۔ ان میں پہلا کذّاب اور دوسرا ظالم ہوگا۔ تو کذّاب (مختار ثقفی) کو دیکھ چکی ہوں اور ظالم اس وقت میرے سامنے ہے۔''

یہ جواب سن کر حجاج جھلاّ گیا۔ پھر ڈھٹائی سے بولا۔ ''میں نے تمھارے بیٹے کے ساتھ یہ سب کیا ہے۔'' جواب ملا۔ ''تو نے میرے بیٹے کی دنیا خراب کی، میرے بیٹے نے تیری آخرت برباد کی۔''

حجاج بوکھلا کر بولا۔ ''یہ دو نطاق والی بڑھیا سٹھیا گئی ہے۔'' یہ طنز بی بڑے صبر سے برداشت کیا۔ اور کہا۔ ''رسول اللہؐ نے سچ فرمایا تھا۔ واقعی تو ظالم ہی ہے۔ ہاں میں ہی دو نطاق والی ہوں۔ یہ لقب رسول اللہؐ نے مجھے دیا ہے۔ اور تو ہے کہ طنز کرتا ہے۔

نوٹ: یاد رہے کہ حضورؐ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینے کی طرف چلے تھے۔ تو حضرت اسماءؓ نے اپنا کمر بند پھاڑ کر اس سے کھانا باندھا تھا۔ حضورؐ نے ذات النطاقین (دو نطاق والی) فرمایا تھا۔

گھریلو زندگی

پاکیزہ خواتین، جن کے ایمان واسلام اور مذہبی خدمات کے بارے میں ہم لکھ رہے ہیں۔ اوران کے کاموں کے نمونے پیش کررہے ہیں۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اسلام قبول کرنے کے بعد سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اپنے گھر کی اصلاح پر زور دیا کرتی تھیں۔ وہ سمجھتی تھیں کہ اگر گھر ہی کی اصلاح نہ ہوسکی تو باہر کے لوگوں میں اصلاح کا کام ٹھیک سے نہ ہوسکے گا۔ اور اس کا اثر بھی وہ نہ ہوگا جو ہونا چاہیے۔ وہ جو ''قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔'' مردوں کے لیے حکم ہے کہ تم اپنے کو اور اپنے اہل یعنی (اہل خانہ۔ گھر والوں) کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اس کی روشنی میں پاکیزہ خواتین کی ذمہ داری یہ سمجھتی تھیں کہ وہ بال بچوں کی اصلاح پر زیادہ زور دیں کیوں کہ گھر کے مرد تو باہر رہتے ہیں۔ دن بھر باہر کام کرتے ہیں۔ شام کو گھر آتے ہیں۔ ان کا واسطہ بچوں سے کم ہی رہتا ہے۔ اس لیے ہم عورتوں کو گھر سنبھالنا ہے۔ شوہر کے گھر کی چیزوں کی دیکھ بھال کرنا ہے۔ گھر کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ پاکیزہ خواتین گھر کے سدھار میں پوری طرح کامیاب رہیں۔ انھوں نے گھر کو خوب سنبھالا۔ اور اپنے بعد آنے والی عورتوں کے لیے بہترین نمونہ چھوڑا۔ نیچے ہم انھی نمونوں کو سامنے لانے کی کوشش کریں گے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے، پورے ڈھیر میں سے ایک مٹھی پورے ڈھیر کے لیے نمونہ ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ نمونے دکھائیں گے۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہم گھریلو زندگی کے ایک ایک عنوان پر دو ایک ہی باتیں لکھیں گے۔ زیادہ پھیلاؤ میں نہیں جائیں گے۔ ہمارا مطلب نصیحت حاصل کرنا ہے۔ وہ تھوڑے ہی واقعات سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اگر اللہ توفیق دے۔

شوہر کی رفاقت

گھریلو زندگی میں سب سے زیادہ اہم ذات شوہر کی ہوتی ہے۔ شوہر گھر کا وہ ستون ہے جو اگر مضبوط رہے تو گھر مضبوط رہتا ہے اور اگر وہ کمزور ہو جائے تو گھر ڈھے جانے سے بچ نہیں سکتا۔ شوہر کی مضبوطی ہر اعتبار سے، دین و مذہب کے اعتبار سے بھی۔ رہن سہن کے اعتبار سے بھی اور مالی حیثیت سے بھی قابلِ ترجیح ہے۔

حضرت خدیجہؓ

مذہب کے اعتبار سے سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ کو دیکھئے۔ نبی کریم ﷺ کی پہلی بیوی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان کی یہ بڑائی ایسی ہے کہ نبی ﷺ ان کی موت کے بعد اکثر ان کو یاد فرماتے رہتے تھے اور ان لفظوں میں کہ:

''وہ میری بہترین بیوی تھیں۔ انھوں نے مجھے اپنا مال اس لیے دیا کہ میں اس مال سے اللہ کے دین کو مضبوط کروں۔''

کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جب نبی ﷺ مکے کے سرداروں کے سامنے اسلام پیش کرتے تھے تو وہ آپ کا مذاق اڑاتے تھے۔ اور طنز کر کے آپ کے دل کو دکھ پہنچاتے تھے۔ طرح طرح سے ستاتے تھے۔ پھر جب گھر آتے تو خدیجہؓ آپ سے اس طرح باتیں کرتیں کہ آپ کا غم غلط ہو جاتا۔ وہ کہتیں کہ یارسول اللہ! آپ حق پر ہیں۔ اللہ نے چاہا تو دین پھیل کر رہے گا۔

ان ہی حضرت خدیجہؓ کا واقعہ ہے کہ جب حضورؐ پر پہلی بار وحی نازل ہوئی اور آپ نے فرشتے کو دیکھا اور نبوت پا کر اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا تو گھبرا کر گھر آئے اور حضرت خدیجہؓ سے سارا حال کہا تو اس بے مثل بیوی نے فوراً تصدیق کی۔ اور دلاسا دیا کہ آپ بالکل نہ گھبرائیں۔ اس بے مثل بیوی نے آپ کی خوبیوں کو بیان کیا۔ اور کہا کہ ''اللہ آپ کی حفاظت کرے گا۔''

اتنا ہی نہیں۔ اپنے ایک عزیز قریب ورقہ بن نوفل جو اس وقت الہامی کتابوں کے عالم مانے جاتے تھے۔ ان کے پاس لے کر گئیں۔ اور ان سے آپ کے دل کو قوت پہنچائی۔

پھر جب اور جہاں مال کی ضرورت ہوئی حضرت خدیجہؓ نے اپنا خزانہ کھول دیا۔ آپ کو

پورا اطمینان دلایا کہ آپ تن من دھن سے اللہ کے دین کو آگے بڑھائیں گھر کو میں سنبھالتی ہوں۔
اگر کہیں حضرت خدیجہؓ کی طرف سے یہ اطمینان آپ کو نہ ہوتا۔ تو کیا وہ کامیابی آپ کو ہوتی جو ہم دیکھتے ہیں۔ لکھنے والوں نے ایک بڑی اچھی مثال دی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی خدمات ایسی ہیں جیسے دودھ میں گھی ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ قوی جز وہی ہوتا ہے۔ یا وہ پانی جو زمین کے نیچے کسی درخت کو تراوٹ بخشتا ہے۔ لیکن کسی کو نظر نہیں آتا۔ یہی حال حضرت خدیجہؓ کا تھا۔ لکھتے ہیں کہ کفّار مکہ اپنے لفظوں کے تیروں سے حضورؐ کے دل کو زخمی کر دیا کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ آپ کے زخمی دل پر اپنی باتوں سے مرہم رکھتی تھیں۔ وہ حضورؐ کی بہترین مشیر (مشورہ دینے والی) تھیں۔

حضرت خدیجہؓ سے آپ کی چار بچیاں تھیں۔ ان کے علاوہ حضرت علیؓ بھی انھی کے گھر میں رہتے تھے۔ ان سب کی دیکھ بھال کرنا، ان کی پرورش کرنا، ان کو پروان چڑھانا۔ یہ سب حضرت خدیجہؓ نے اپنے ذمہ لیا تھا۔ بڑے ہوکر یہ سب کیسے ہوئے؟ کیا بنے؟ تاریخ کی کتابیں پڑھنے والے جانتے ہیں کہ دین کے آسمان کے روشن ستارے بنے۔ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت فاطمہؓ کی دوسری بہنوں کی خدمات ایسی نہیں کہ اسلامی تاریخ ان کو بھلا دے۔ اور کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ ان سب کو پروان چڑھانے والی ذاتِ بابرکات حضرت خدیجہؓ ہی تھیں۔

جو لوگ دین کو پھیلانے کا کام کرتے ہیں ان کو تجربہ ہوگا کہ اگر خدانخواستہ بیوی ساتھ نہ دے اور دن بھر طرح طرح کے غم سہہ کر گھر آئیں اور بیوی ڈھارس بندھانے کے بدلے اپنا دکھڑا لے بیٹھے تو اس غریب شوہر کا حال کیا ہوتا ہے بیچارے کو دن میں تارے نظر آنے لگتے ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے قدم قدم پر آزمائش میں آپ کا ساتھ دیا۔ یہاں تک کہ ان کی صحت نے جواب دے دیا۔ اور پھر وہ تندرست نہ ہوسکیں۔ اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ جس سال ان کا انتقال ہوا۔ حضرت نبی کریمؐ اس سال کو اپنے لیے غم کا سال فرماتے ہیں۔ زیادہ پھیلاؤ سے لکھنا نہیں چاہتا۔ غرض یہ کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد ہی وہ ناقابلِ برداشت ظلم و ستم حضورؐ پر توڑے گئے۔ جن کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔ آپ کی راہ میں کانٹے بچھائے جانا۔ آپ کو تکلیفیں دینا۔ آپ کو قتل کرنے کی تدبیریں کرنا۔ یہ اور اس طرح کی ساری باتیں حضرت خدیجہؓ کے بعد کی ہیں۔

اگر آج ہماری مائیں اور بہنیں اپنے دین پھیلانے والے شوہر کا ساتھ دیں۔ تو آج بھی دین کی تبلیغ زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ کاش! ہماری یہ بات کسی خاتون کے دل کو چھو لے۔

حضرت فاطمہؓ

یہ وہ فاطمہؓ ہیں جو حضرت خدیجہؓ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ حضرت علیؓ سے بیاہی گئیں۔ حضرت علیؓ دین پھیلانے میں نبی ﷺ کے بہترین ساتھی اور سپاہی تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے ان کو بھی گھر سے فارغ کر دیا تھا۔ گھر کی ضرورت کے لیے پانی بھرنا۔ اور اس طرح کہ مشک لانے میں آپ کے سینے پر نشان پڑ گئے تھے۔ چکی پیسنا۔ گھر کا کھانا پکانا۔ کم سے کم رقم پر گھر کا کام چلانا۔ اپنی ذات پر دکھ اٹھانا۔ لیکن شوہر کو ڈھارس بندھانا۔ یہ وہ باتیں تھیں کہ خود حضرت علیؓ کے دل پر اثر ہوتا تھا۔ انھوں نے ایک بار کہا بھی کہ فاطمہ! حضور ﷺ کے پاس جاؤ۔ آج کل کچھ غلام آئے ہیں۔ ایک غلام مانگ لاؤ۔ لیکن فاطمہ کی غیرت دیکھیے۔ حضورؐ کی خدمت میں گئیں لیکن زبان سے کچھ نہ کہہ سکیں۔ جیسی گئی تھیں ویسی لوٹ آئیں۔ پھر جب حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپ نے لونڈی دینے کے بدلے بیٹی کو یہ کلمات پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمد للہ ۳۳ بار، اللہ اکبر ۳۴ (یہ کلمات تسبیح فاطمہؓ کے نام سے مشہور ہیں)۔

حضرت اسماءؓ

حضرت اسماءؓ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں اور حضرت زبیرؓ کو بیاہی تھیں۔ بچپن ہی سے اسلام کی راہ میں تیزی سے چل رہی تھیں۔ حضرت زبیرؓ بھی غریب تھے۔ حضرت اسماءؓ ہی گھر کا سارا کام خود کرتی تھیں۔ مدینے کے باہر ان کا ایک باغ تھا۔ باغ تک پیدل جاتی تھیں۔ کام کرتیں۔ وہ مشہور اور دل چسپ واقعہ یاد ہوگا کہ ایک بار سامان سے لدی آ رہی تھیں۔ راستے میں حضورؐ ملے۔ کچھ صحابہؓ ساتھ تھے۔ آپ نے حضرت اسماءؓ کی محنت اور مشقت کو دیکھا تو اپنا اونٹ پیش کیا۔ لیکن حضرت اسماءؓ نے اس پر بیٹھنا پسند نہیں کیا۔ اور پیدل ہی گھر آئیں۔

حضرت زبیرؓ کے مزاج میں بڑی تیزی تھی۔ لیکن حضرت اسماءؓ بڑے صبر کے ساتھ رہتی

تھیں۔ اس تحمل پر تعجب اس وقت ہوتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت زبیرؓ کی تیز مزاجی سے ایسا ہوا کہ انھوں نے طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد بیوی کی نظر سے شوہر گر جاتا ہے۔ لیکن حضرت اسماءؓ ان کی بہت سی خوبیوں کی وجہ سے ہمیشہ ان کی تعریف کرتی رہیں یہاں تک کہ جب ایک دشمن نے دھوکہ دے کر شہید کر دیا تو دردناک مرثیہ کہا۔ جس میں یہ بھی نظم کیا:

> وہ (زبیر) اتنا بہادر تھا کہ سامنے سے تلوار کا وار کرنے کی تجھے ہمت نہیں ہوئی۔ حیف ہے تجھ پر! تو نے اس وقت تلوار چلائی جب وہ نمازی (زبیرؓ) سجدے میں تھا۔

مشہور بہادر صحابی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت اسماءؓ کے بڑے بیٹے تھے۔ ان کی تربیت حضرت اسماءؓ نے کی تھی۔ جب وہ پیدا ہوئے تو انھیں حضورؐ کی خدمت میں لے گئیں اور ان سے دعا کرائی۔

ان کے بچپنے میں کوئی جنگ ہوتی تو حضرت اسماء انھیں ایک ٹیلے پر بٹھا دیتیں اور کہتیں، ''دیکھو! یہ سب!'' آج کہاں گئیں ایسی خواتین۔ نام آج بھی اسماء، عائشہ، خدیجہ، اور فاطمہ وغیرہ ہیں۔ لیکن کام؟...... کاش کہ......!

جستہ جستہ واقعات

حضرت حولاؓ اس وقت جب ان کے شوہر گھر آتے تو وہ دلہن کی طرح سج دھج کے ساتھ ان کا استقبال کرتی تھیں۔

حضرت عمرؓ جب گھر آتے تو ان کی بیوی عاتکہؓ ان کا سر چوم لیا کرتی تھیں۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر ایک کوتاہی کی وجہ سے حضرت ہلال بن امیہؓ سے حضورؐ ناراض ہوگئے۔ حکم دے دیا کہ بیویاں ان سے الگ رہیں۔ اس موقع پر حضرت ہلالؓ کی بیوی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہلال بوڑھے ہیں۔ میرے سوا ان کے پاس کوئی خدمت کرنے والا نہیں۔ اگر میں صرف ان کی خدمت کروں تو آپ کو ناپسند تو نہیں ہوگا۔ فرمایا! ''نہیں۔ لیکن الگ رہنا۔''

۵۰ دن تک حضورؐ ناراض رہے، بیوی نے ہلال کی خدمت اس طرح کی کہ رہیں تو ان سے الگ لیکن ان کو تکلیف نہ ہونے دی۔

اسی طرح ایک صحابیؓ نے بڑھاپے میں ایک بار بیوی کو ماں کہہ دیا۔ ان پر ظہار کا مسئلہ لاگو ہو گیا تو وفادار بیوی حضورؐ کی خدمت میں گئیں اور ایسے دردناک لفظوں میں شوہر کی مجبوری پیش کی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ان کے موافق آیا۔ سورۂ مجادلہ ایسی ہی حالت میں نازل ہوئی تھی۔

مشترکہ خوبیاں

صحابیات یعنی پاکیزہ خواتین پر ایک وہ زمانہ بھی گزرا جب اسلام کا ابتدائی دور تھا وہ اس وقت دانے دانے کو محتاج ہو گئی تھیں۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب اللہ نے انھیں فراغت دی۔ ان دونوں حالتوں میں انھوں نے اپنی سادگی کو نہ چھوڑا۔ دونوں حالتوں کے نمونے ملاحظہ ہوں۔ مگر دو چار۔

صحابیات سادہ زیور پہنتی تھیں۔ زیادہ سے زیادہ بازو بند۔ بالی۔ ہار۔ انگوٹھی اور چھلّے۔ ہار لونگ کا ہوتا تھا۔

صحابیات سرمہ اور مہندی لگاتی تھیں۔ زعفران اور عطر کو پسند کرتی تھیں۔

تمام صحابیات اپنا کام خود کرتی تھیں۔ بعض صحابیات کپڑا بنتی تھیں۔ بعض چمڑے کا کام کرتی تھیں۔ اگر کسی کے گھر لونڈی ہوتی تو اس کے ساتھ خود بھی کام کرتی تھیں۔

آج بھی ان نمونوں سے سبق لیا جا سکتا ہے۔ سکون کی تلاش ہے تو ان دنوں کو سامنے رکھا جائے۔